یہ دستاویز سپریم کورٹ آف پاکستان کے سنی اتحاد کونسل وغیرہ بنام الیکشن کمیشن آف پاکستان وغیرہ کے اکثریتی فیصلہ، جس کا مختصر حکم مورخہ 12 جولائی 2024 کو سنایا گیا اور بعد ازاں تفصیلی فیصلہ مورخہ 23 ستمبر 2024 کو صادر و شائع ہوا، کا اُردو ترجمہ ہے۔

اظہار انتباہ

ہر گاہ باعث تحریر آنکہ یہ ہے کہ عوام الناس کو مطلع کیا جائے کہ ترجمہ ہذا کا مطلوب مقصد فیصلہ کے مندرجات کو سمجھنے میں سہولت پیدا کی جائے اور اس امر کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ اصل انگریزی متن ہی مستند ہے اور وہ ہی آئینی، قانونی اور حوالہ جاتی مقاصد کے لیے معتبر ہے۔ تحریر مکرر ہے کہ اس ترجمہ کو قانونی دستاویز یا اس کے متبادل ہرگز نہ سمجھا اور پڑھا جائے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان

(اختیارِ سماعت اپیل)

فل کورٹ بینچ:

جناب جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، چیف جسٹس
جناب جسٹس سید منصور علی شاہ
جناب جسٹس منیب اختر
جناب جسٹس یحییٰ آفریدی
جناب جسٹس امین الدین خان
جناب جسٹس جمال خان مندوخیل
جناب جسٹس محمد علی مظہر
مسز جسٹس عائشہ اے ملک
جناب جسٹس اطہر من اللہ
جناب جسٹس سید حسن اظہر رضوی
جناب جسٹس شاہد وحید
جناب جسٹس عرفان سعادت خان
جناب جسٹس نعیم اختر افغان

سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333 اور 334

اور

سال 2024 کی متفرق دیوانی درخواست نمبر 2920

(درخواست حکم امتناعی)

اور

سال 2024 کی متفرق دیوانی درخواست نمبر 5913

(تحریک انصاف کی درخواست برائے بنائے جانے فریق مقدمہ)

سنی اتحاد کونسل وغیرہ۔(دونوں مقدمات میں)

...اپیل کنندگان

بنام

الیکشن کمیشن آف پاکستان وغیرہ۔(دونوں مقدمات میں)

...جواب دہندگان

سال 2024 کی دیوانی درخواستیں نمبر 1612 تا 1617

اور

سال 2024 کی دیوانی درخواست بلا نمبر میں دی گئی 2024 کی متفرق دیوانی درخواست نمبر 3554

(برائے دیئے جانے اجازت دائر کرنے و بحث کرنے)

سپیکر صوبائی اسمبلی خیبر پختونخوا پشاور وغیرہ

(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1612 سے 1614)

حکومت خیبر پختونخوا بذریعہ چیف سیکرٹری پشاور وغیرہ

(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1615 سے 1617)

کنول شوزب

(سال 2024 کی متفرق دیوانی درخواست نمبر 5913)

...درخواست گزار / سائلان

بنام

شازیہ طہماس خان اور دیگر۔

(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1612 اور 1616)

ایمن جلیل جان اور دیگر۔

(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1613 اور 1617)

مہر سلطانہ اور دیگر۔

(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1614 اور 1615)

الیکشن کمیشن آف پاکستان بذریعہ سیکرٹری وغیرہ

(سال 2024 کی متفرق دیوانی درخواست نمبر 3554)

...جواب دہندگان / مسئول علیہان

دیوانی اپیلوں میں

منجانب اپیل کنندگان

(دونوں اپیلوں میں)

فیصل صدیقی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

معاونت بذریعہ عمار رفیق ایڈوکیٹ

ہمراہ اجمل غفار طور ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

حیدر بن مسعود ایڈووکیٹ۔

اور صاحبزادہ ایم حامد رضا (اپیل کنندہ بذات خود)

منجانب جواب دہندہ نمبر 1 الیکشن کمیشن آف پاکستان (دونوں اپیلوں میں)	سکندر بشیر مہمند ایڈووکیٹ سپریم کورٹ معاونت بذریعہ عبداللہ نور ایڈووکیٹ و حمزہ عظمت ایڈووکیٹ ہمراہ ایم ارشد، ڈائریکٹر جنرل (قانون) الیکشن کمیشن صائمہ طارق جنجوعہ ڈپٹی ڈائریکٹر (قانون) الیکشن کمیشن
منجانب پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز (دونوں اپیلوں میں)	فاروق ایچ نائیک سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ معاونت بذریعہ اسد محمود عباسی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ شیراز شوکت راجپر ایڈووکیٹ سید قائم شاہ ایڈووکیٹ
منجانب مسلم لیگ (ن) (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	حارث عظمت ایڈووکیٹ سپریم کورٹ معاونت بذریعہ محترمہ فائزہ اسد ایڈووکیٹ چوہدری اختر علی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ
منجانب متحدہ قومی موومنٹ	کوئی نہیں
منجانب جواب دہندہ نمبر 5 (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	ایم۔ صدیق اعوان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
منجانب جواب دہندہ نمبر 9 (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	سید رفاقت حسین شاہ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ / ایڈووکیٹ آن ریکارڈ
منجانب جواب دہندہ نمبر 11 (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	کامران مرتضیٰ سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
منجانب جواب دہندگان نمبر 15 تا 19 اور 21 اور 22 (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	ایم مخدوم علی خان سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ سرمد ہانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ سعد ممتاز ہاشمی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ معاونت بذریعہ ضرار قادر شورو ایڈووکیٹ ہمراہ یاور مختار ایڈووکیٹ
منجانب جواب دہندہ نمبر 20 (سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 333)	ذوالفقار خالد ملوکا ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

منجانب جواب دہندہ نمبر 9
(سال 2024 کی دیوانی اپیل نمبر 334)

ایم شہزاد شوکت ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
معاونت بذریعہ رضا الرحمان، ایڈووکیٹ

دیوانی درخواستوں میں

منجانب درخواست دہندگان
(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1612 تا 1614)

اسد جان درانی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
ہمراہ ملک خواص اسسٹنٹ لاء آفیسر
خیبر پختونخوا اسمبلی

منجانب درخواست دہندگان
(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1615 تا 1617)

شاہ فیصل اُتمان خیل ایڈوکیٹ جنرل خیبر پختونخوا
کوثر علی شاہ، ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل خیبر پختونخوا
زاہد یوسف ایڈوکیٹ آن ریکارڈ

منجانب جواب دہندہ نمبر 1
(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1612 اور 1616)

عامر جاوید ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

منجانب جواب دہندہ نمبر 6 (سال 2024 کی دیوانی درخواست نمبر 1612) اور
منجانب جواب دہندہ گان نمبر 2 تا 5 (سال 2024 کی دیوانی درخواست نمبر 1616)

شاہ خاور ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

منجانب جواب دہندہ گان نمبر 1 تا 6
(سال 2024 کی دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 1613 اور 1617)

کامران مرتضیٰ سینئر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
قاری عبد الرشید ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

منجانب جواب دہند گان نمبر 1، 2، 3، 8
(سال 2024 کی دیوانی درخواست نمبر 1614)

عمران خان ایڈوکیٹ سپریم کورٹ

دیوانی متفرق درخواستوں میں

منجانب درخواست دہندگان
(سال 2024 کی متفرق دیوانی درخواست ہائے جات نمبر 3554 اور 5913)

سلمان اکرم راجہ ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
سمیر کھوسہ ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
معاونت بذریعہ ملک غلام صابر، رمشا بنوری، ثمرین قریشی اور حماد امین
ایڈووکیٹ

عدالت کے نوٹس پر

منجانب وفاق
منصور عثمان اعوان اٹارنی جنرل آف پاکستان
معاونت بذریعہ مریم علی عباسی ایڈوکیٹ
ہمراہ ملک جاوید اقبال وائیں ایڈیشنل اٹارنی جنرل آف پاکستان
راجہ ایم شفقت عباسی ڈپٹی اٹارنی جنرل
مریم رشید ایڈوکیٹ

منجانب حکومت پنجاب
خالد اسحاق ایڈوکیٹ جنرل پنجاب۔
ثناء اللہ زاہد ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل پنجاب

منجانب حکومت خیبر پختونخوا
شاہ فیصل اُتمان خیل ایڈوکیٹ جنرل خیبر پختونخوا۔
شاہ فیصل الیاس ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل خیبر پختونخوا

منجانب حکومت سندھ
میران محمد شاہ ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل سندھ
(کراچی سے بذریعہ ویڈیو لنک)

منجانب حکومت بلوچستان
محمد آصف ریکی ایڈوکیٹ جنرل بلوچستان۔
(کوئٹہ سے بذریعہ ویڈیو لنک)
ایم ایاز سواتی ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل
طاہر اقبال خٹک ایڈیشنل ایڈووکیٹ
جنرل بلوچستان (اسلام آباد میں)

منجانب اسلام آباد دارالحکومتی علاقہ
محمد ایاز شوکت ایڈوکیٹ جنرل اسلام آباد

تحقیقی معاونت:
عمر اے رانجھا جوڈیشل لاء کلرک

سماعت کی تاریخ:
09 جولائی 2024

مندرجات کا جدول

- پیش لفظ
- انتخابی تنازعات کی نوعیت اور عدالتوں کی ذمہ داری
- مقدمہ سے متعلقہ حقائق
- پی ٹی آئی کی فریقِ مقدمہ بننے کی درخواست (2024 کا CMA نمبر 5913)
- سنی اتحاد کونسل یا پی ٹی آئی کو مخصوص نشستیں مختص کرنے کا دعویٰ
- قانونی سوالات
  - آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت فراہم کردہ بنیادی حق کا دائرہ کار
  - آرٹیکل 19 میں فراہم کردہ حق رائے دہی اور آزادی اظہار رائے
- الیکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ 215(5) کے تحت کسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دینے کا کیا نتیجہ ہے؟ کیا ایسا حکم نامہ سیاسی جماعت کے دیگر آئینی اور قانونی حقوق کو متاثر کرتا ہے؟
  - تعزیراتی یا بنیادی حقوق میں تخفیف سے متعلقہ قوانین کی محدود تشریح کا اصول
- سوال (i) کا جواب اور پی ٹی آئی پر اس کا اطلاق
  - الیکشن قواعد 2017 کا قاعدہ 94 میں دی گئی وضاحت الیکشن ایکٹ اور آئین کے خلاف ہے
- کیا کسی سیاسی جماعت کی طرف سے نامزد کردہ امیدوار، جو انتخابی نشان حاصل کرنے کا اہل نہ ہو، کو امیدواروں کی فہرست (فارم 33) میں بطور آزاد امیدوار ظاہر کیا جاسکتا ہے، اور کیا ایسے کامیاب امیدوار کو سیکشن 98 کی نوٹیفکیشن میں بطور آزاد کامیاب امیدوار بتایا جاسکتا ہے؟
  - سیاسی جماعت کے طور پر اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں مقابلہ کرنے کا حق آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت ایک بنیادی حق ہے
  - سلمان اکرم راجہ (پی ٹی آئی کے امیدوار) کی درخواست پر جاری کیا گیا کمیشن کا حکم 2 فروری 2024، غیر آئینی اور غیر قانونی تھا۔....
  - قوانین کی "تشریح" اور "تعبیر" میں فرق
- سوال نمبر (ii) کا جواب اور پی ٹی آئی پر اس کا اطلاق
  - جناب گوہر علی خان کی طرف سے بطور چیئرمین پی ٹی آئی کے جاری کردہ پارٹی ٹکٹوں کی قانونی حیثیت
- کیا آئین کے آرٹیکل 51 (6) (e) (d) اور 106 (3) (c) صرف ان سیاسی جماعتوں کا حوالہ دیتے ہیں جنہوں نے عام نشستوں کے لیے انتخاب لڑا اور جنرل سیٹیں جیتی یا تمام رجسٹرڈ شدہ جماعتوں سے بھی متعلق ہیں؟
  - یہ قیاس کہ ایک قانون میں استعمال ہونے والے وہی الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ اور مختلف الفاظ کے مختلف معنی، مطلق اصول نہیں ہے
  - "حاصل کردہ" اور "جیتی ہوئی" کے الفاظ آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور انہیں بنیادی دفعات اور شرائط میں ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔
  - آرٹیکل 51 (6) (d) کی اضافی شرط کا موضوع اور مقصد۔

- آرٹیکل 51 (6) (d) کی اضافی شرط ایک حقیقی شرط نہیں
- اضافی شرط کے آخری حصے میں "سیاسی پارٹی" کے ساتھ ایسی لفظ "such" کے استعمال کا اثر
- آرٹیکل (2)63A اور آرٹیکل 51 (6) (d) کا ہم آہنگ مطالعہ

- سوال نمبر (iii) کا جواب اور SIC اور PTL پر اس کا اطلاق
- آئین کے آرٹیکل 51 (6) (e) (d) اور آرٹیکل 106(3)(c) کے مطابق مخصوص نشستوں کے غرض کیلئے سیاسی جماعتوں کی متناسب نمائندگی کی تقسیم کا حساب اور الاٹمنٹ کس طرح ہونا چاہئے؟
  - پارلیمانی جمہوریت میں سیاسی جماعتوں اور پارلیمنٹ کے آزاد ارکان کی حیثیت
  - سیاسی جماعتوں کا متناسب نمائندگی کا نظام ایک ترکیبی اظہار ہے
  - خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستیں فراہم کرنے کا آئینی مقصد
- سوال نمبر (iv) کا جواب اور اس کا پی ٹی آئی اور دیگر سیاسی جماعتوں پر اطلاق
  - مخصوص نشستوں میں تناسبی نمائندگی کے مناسب حصے سے انکار سیاسی جماعت اور رائے دہندگان کی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے، جو کہ آئین کے آرٹیکل (2)17 اور 19 کے تحت ضمانت شدہ ہے
- کونسی دادرسی انصاف کے مقاصد کی تکمیل کرے گی؟
  - ریٹرننگ افسران اور کمیشن کے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیاں جو پی ٹی آئی کے لیے نقصان کا باعث بنیں
  - آئین کے آرٹیکل (3)218 کے تحت کمیشن کا دائرہ اختیار اور آئین کے آرٹیکل (1)187 کے تحت سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار
  - آٹھ ججوں اور تین ججوں کے درمیان نکتہ اختلاف
  - کمیشن بطور "ضامن" جمہوری عمل، اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے
  - پی ٹی آئی عدالت کے سامنے ہے
- ریلیف دی گئی: مختصر حکم دہرایا گیا

فیصلہ

سید منصور علی شاہ جج۔

پیش لفظ

پاکستان کے جمہوری آئین کا محور عوام کی منشاء ہے جہاں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات جمہوریت کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔ عوام کا کلیدی کردار اِس مسلمہ اُصول سے اُجاگر ہوتا ہے کہ **'سب سے اہم سیاسی مقام عام شہری کا ہے'**[1] جس کی حق رائے دہی میں ہی جمہوری طرز حکمرانی کی بقاء ہے۔ جمہوریت اس یقین پر پروان چڑھتی ہے کہ اختیار دراصل عوام کا ہوتا ہے۔ اور یہ اُصول نہ صرف ہمارے بلکہ تمام جمہوری اقوام کے دساتیر میں درج اور تسلیم شدہ ہے۔ ہمارا آئین محض ایک انتظامی دستاویز نہیں ہے بلکہ ایک عہد نامہ ہے، جو عوام کی اعلیٰ مقام کی تصدیق کرتا ہے تاکہ وہ اپنے منزل کا خود تعین کر سکیں۔

2۔ ہمارے آئین کی رو سے مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جبکہ ریاستی اختیارات کا استعمال اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے عوام نے بطور **"مقدس امانت"** کرنا ہے۔ جو یہ واضح کرتا ہے کہ حکمرانی کا فریضہ بنیادی طور پر عوام کا ہے جو کہ وہ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے انجام دیں گے۔ ہمارے اسلامی جمہوری مملکت میں **"مقدس امانت"** کا تصور، حکومت اور عدلیہ دونوں کی ذمہ داریوں کو نمایاں کرتی ہیں۔ اس طرح جمہوری عمل میں اس مقدس امانت کے ساتھ وفاداری کے اخلاقی پہلو کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح انتخابات کے تناظر میں، **"مقدس امانت"** کا تصور یہ تقاضا کرتا ہے کہ انتخابی عمل کے ساتھ جڑے ہوئے تمام کردار منصفانہ اور ایماندارانہ رویے کے اعلیٰ معیار پر قائم رہتے ہوئے انتخابی شفافیت کو یقینی بنائیں۔

3۔ انتخابی حکام، بطور "انتخابی انتظامی ادارہ" جو "حکومت کی چوتھی شاخ" کی مانند ہے، جمہوری عمل کا "ضامن ادارہ" ہے اور جمہوری طرز حکمرانی کے لیے ناگزیر ہے۔ اُن کا آئینی کردار سیاسی عمل میں شامل تمام افراد کے لیے مساوی اور مسابقتی مواقع فراہم کر کے منصفانہ انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنانا اور شہریوں کے حق رائے دہی کا تحفظ کرنا ہے۔ انتخابی عمل کے **غیر جانبدار نگران** کے طور پر، الیکشن کمیشن آف پاکستان نہ صرف ایک انتظامی ادارہ ہے بلکہ انتخابی سالمیت اور جمہوریت کی قانونی ساکھ کا محافظ بھی ہے۔ جب انتخابی حکام ان اصولوں کے برعکس کوئی اقدام کرتے ہیں، جیسا کہ ناجائز طور پر ایک بڑی سیاسی جماعت کو تسلیم کرنے سے انکار اور اُس کے نامزد کردہ اُمیدواروں کے ساتھ آزاد امیدواروں کی طرح سلوک کرنا، تو اس طرح کے اقدامات سے نا صرف امیدواروں کے حقوق مخدوش ہوتے ہیں بلکہ رائے دہندگان کے حقوق کی بھی سنگین خلاف ورزی ہوتی ہے اور یوں وہ اپنے ادارے کی قانونی حیثیت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہے۔

4۔ نمائندہ جمہوری نظام میں سیاسی جماعتیں ریاست اور اُسکے شہریوں کے بیچ ایک پل کا کردار ادا کرتی ہیں۔ انتخابی فیصلوں کی تشکیل، رائے عامہ کو منظم کرنا اور متنوع مفادات کو مربوط پلیٹ فارمز میں ضم کرنے جیسے اہم فریضوں کی بدولت سیاسی جماعتوں کا ایک منفرد مقام ہے جس کا مقصد انتخابی فیصلوں کو بامقصد بنانے اور جمہوریت کو درست سمت میں گامزن کرنے کو یقینی بنانا ہے۔[2] مزید برآں، سیاسی جماعتیں باقاعدگی کے ساتھ قانون سازی کے ذریعے احتساب کے عمل کو یقینی بناتے ہوئے مستحکم حکمرانی کے فروغ میں کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی طرح، سیاسی جماعتیں انتخابی مقابلہ بازی کے لیے ناگزیر ہیں اور ریاستی اداروں کی قانونی ساکھ، کارکردگی اور جواب دہی کو یقینی بناتی ہیں۔ آئینی عمل میں سیاسی جماعتوں کے اس مرکزی کردار کو **آئینی پارٹیکریسی** بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ ایک ایسا نظام جس کے تحت سیاسی جماعتیں نظامِ حکومت کے لئے بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہیں[3]۔ سیاسی جماعتوں کو مکمل طور پر ختم کرنے کے بجائے مضبوط کرنا ہی جمہوریت کو فروغ دے سکتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے بغیر جمہوریت کا زیادہ دیر تک قائم رہنا ممکن نہیں ہوتا۔

---

[1] جسٹس لوئس برینڈیس، جو 1916 سے 1939 تک امریکی سپریم کورٹ کے جسٹس تھے، جس کا مشہور قول ہے کہ: "سب سے اہم سیاسی مقام عام شہری کا ہے"۔ یہ بیان جمہوریت میں افراد کے اہم کردار پر زور دیتا ہے اور اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ جمہوری حکومت کی طاقت اس کے شہریوں کی فعال کردار اور شرکت پر منحصر ہوتی ہے۔

[2] ترونبھ کھیتان، Political Parties in Constitutional Theory, Current Legal Problems، والیوم 73(2020)، صفحات 125-89

[3] ارادھیا سیٹھیا، Constutitional Particracy: Political Parties and the Indian Constitution، (2024)۔

5۔ جب الیکشن کمیشن سے انتخابی عمل کو متاثر کرنے والی سنگین غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، تو ایسی غلطیوں کی اصلاح اور انتخابی انصاف کو یقینی بنانے کے لیے عدالتی مداخلت ناگزیر بن جاتی ہے۔ عدلیہ کو انتخابی انصاف یقینی بنانے کی ذمہ داری اسی لئے سونپی گئی ہے تاکہ عوام کی منشاء کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے۔ انتخابی تنازعات کو انتخابی دیانت داری اور جمہوریت کے قانونی جواز کے تناظر میں اس لیے دیکھا جاتا ہے تاکہ نظامِ حکومت پر عوامی اعتماد کو برقرار رکھا جاسکے۔ سیاسی اور انتخابی حقوق کے تحفظ کے لیے انتخابی انصاف ناگُزیر ہے اور اس کا انتخابی سالمیت کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ انتخابی سالمیت کی نگرانی کے لئے عدالت عظمیٰ کا کردار جمہوری عمل میں عوامی اعتماد کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت اہم ہے، اور عدالت کا **"مکمل انصاف"** کرنے کا اختیار اس عدالت کی اہم آئینی ذمہ داری ہے، جو اُسے جمہوری عمل کی پسپائی کو روکنے کے قابل بناتی ہے[4]، تاکہ رائے دہندگان کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤثر طریقے سے جمہوریت کا تحفظ کر سکے۔ انتخابی انصاف کو نہ ماننا اور انتخابی سالمیت پر سمجھوتہ جمہوریت کے بنیادی جواز کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔

6۔ جب کبھی جامد طرزِ تشریح آئین کے متن اور اُصولوں کو زندہ رکھنے میں ناکام رہتی ہے تو عمومی طور پر جج صاحبان **آئینی وفاداری**[5] کے اُصول کے تحت اِس طرح کی تشریح کو مسترد کرتے چلے آئے ہیں۔ آئینی وفاداری کے تصور سے مراد آئین کے ساتھ وفادار رہتے ہوئے اِس کے الفاظ کی اِس طرح سے تشریح کرنا اور اس کے اُصولوں کو اِس طرح سے لاگو کرنا کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ آئین کے معنی اور اس کے جمہوری جواز کو برقرار رکھا جاسکے۔ آئینی وفاداری اور جمہوریت کا قانونی جواز دونوں ذریعہ اور مقصد کے ایک باہمی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں، جہاں قانونی جواز ایک مقصد ہے جبکہ آئینی وفاداری اُس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے[6]۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دساتیر عارضی قوانین کی مانند نہیں ہوتے ہیں جو وقتی حالات سے نمٹنے کے لیے بنائے جاتے ہیں بلکہ اس لیے معرضِ وجود میں لائے جاتے ہیں تاکہ وہ 'اس وقت تک قائم رہ سکے جہاں تک ایک انسانی ادارے کی ممکن حد تک رسائی ہو'۔[7]

7۔ عوامی منشاء کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے، اور انتخابات کے منصفانہ انعقاد، ضامن ادارے کے طور پر الیکشن کمیشن کا کردار، انتخابی عمل میں سیاسی جماعتوں کی مرکزیت، انتخابی انصاف، انتخابی دیانت داری اور جمہوریت میں رائے دہندگان کے حقوق کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس مقدمے کا جائزہ لینے جارہے ہیں۔

انتخابی تنازعات کی نوعیت اور عدالتوں کی ذمہ داری:

8۔ مقدمے کے متعلقہ حقائق اور اس سے اُٹھنے والے قانونی سوالات پر آنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انتخابی تنازعات کی نوعیت اور اس طرح کے تنازعات کا فیصلہ کرنے میں عدالتوں اور نیم عدالتی اداروں کی ذمہ داری پر روشنی ڈالی جائے۔ ان اپیلوں کی سماعت کے دوران جب بینچ کے بعض ارکان کی جانب سے بعض حقائق اور قانونی نکات پر سوالات اُٹھائے گئے تو جواب دہندگان کے فاضل وکیل نے کہا کہ یہ حقائق دائر شدہ درخواستوں میں ذکر نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ قانونی نکات دائر کردہ درخواستوں میں دیئے گئے حقائق پر مبنی ہیں۔ انہوں نے استدلال کیا کہ آئین کے آرٹیکل 185 میں اپیل کے دائرہ اختیار کی روسے عدالت درخواست کے مندرجات سے باہر نہیں جاسکتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دلیل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جو انتخابی تنازعات کو محض دو فریقین کے درمیان دیوانی تنازعات کے طرز پر سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

9۔ انتخابی تنازع کو دیوانی تنازع کے ساتھ مشابہت کے اصول کو رد کرتے ہوئے **جج Morris** نے سال 1875 کے ***Tipperary Election Case***[8] میں اس طرح تبصرہ کیا ہے:

> میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک غلط قیاس ہے، کیونکہ ایسی درخواست (انتخابی تنازع سے متعلقہ) دو افریقین کے درمیان مقدمہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی مقدمہ بازی ہے جس میں انتخابی حلقہ ہی اصل فریق ہوتا ہے۔

---

[4] ٹام گنزبرگ،'Democracy Backsliding and the Rule of Law'44اوہائیو یونیورسٹی لاء ریویو 351(2018)۔

[5] گوڈون لیو، پامیلا ایس۔ کارلان اور کرسٹوفر ایچ شروڈر، Keeping Faith with the Constitution، امریکن کانسٹی ٹیوشن سوسائٹی فار لاء اینڈ پالیسی (2009)۔

[6] فرینک I. مشیل مین، Fidelity and Legitimacy، جرنل آف دی اے سی ایس ایشو گروپس، امریکن کانسٹی ٹیوشن سوسائٹی فار لاء اینڈ پالیسی (جلد 1، نمبر 2، 2007)۔

[7] ویمز بنام متحدہ ریاستیں، 217 U.S. 349 (1910).

[8] مورٹن بنام گالوے، 3 O.M. & H. 19 [1875]

اسی قانونی دلیل کو اگلے سال 1876 میں جج Grove نے ***Aldridge*** مقدمہ[9] میں مزید ذیل انداز میں واضح کیا ہے۔

> ایکٹ کی متعدد دفعات نے صرف درخواست گزاروں یا جواب دہندگان کے انفرادی مفادات یا حقوق کو بیان کیا ہے بلکہ منتخب کرنے والوں، انتخابی حلقوں، عوام کے حقوق اور شفاف انتخابات اور جائز ووٹوں کی اکثریت سے جیتنے والے ممبران کا بھی تذکرہ کیا ہے۔۔۔

انتخابی تنازعات کی نوعیت پر انگریزی فقہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی اپنایا گیا ہے۔***Sreenivasan*** مقدمے[10] میں مدراس ہائی کورٹ کے جج Aiyar نے بھی انتخابی درخواست کو دیوانی مقدمے کے ہمزاد ہونے کے موقف کو رد کیا ہے۔ انہوں نے دیوانی مقدمے اور انتخابی درخواست کی نوعیت میں فرق کی وضاحت کی ہے اور قانونی موقف کو شائستگی کیساتھ ذیل انداز میں واضح کیا کہ:

> یہ نظریہ بنیادی طور پر اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ انتخابی مقدمہ اپنی تمام تر جُزیات کے ساتھ ایک عام دیوانی مقدمے کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی درخواست نہیں ہے کہ جس میں دلچسپی رکھنے والے صرف بالمقابل انتخابی امیدوار ہوں بلکہ عوام کا بھی اس میں بنیادی مفاد ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک انتخابات کی اہمیت محض ایک خبر کی سی نہیں ہوتی۔ انتخابات جمہوری عمل کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ شہریوں کا نہ صرف اس سے مفاد منسلک ہوتا ہے بلکہ اُن کا توقع کرنا جائز ہے کہ انتخابات منصفانہ اور آزاد طریقے سے سرانجام پائیں نہ کہ اُن پر بدعنوان اور غیر قانونی عناصر اثرانداز ہوجائے۔۔۔ دیوانی مقدمہ اور انتخابات سے متعلقہ مقدمہ کے درمیان اس واضح فرق کے پیش نظر میرے خیال میں یہ درست نہیں ہوگا کہ ہم انتخابی مقدمہ کے معاملے میں دیوانی مقدمہ سے قیاس کردہ اُصولوں کو استعمال کریں۔

اسی طرح[11] ***Inamati*** مقدمے میں بھارتی سپریم کورٹ کے جج Bhagwati نے ذیل انداز میں تبصرہ کیا ہے:

> "یہ مفاد پورے حلقے کا ہوتا ہے جو انتخابی ٹریبونلز کے سامنے ہونے والی کارروائیوں کو ایک نمایاں خصوصیت بخشتی ہے اور اُسے محض دیوانی مقدمات سے ممتاز کرتی ہے۔۔۔
>
> متذکرہ بالا انتخابی مقابلہ کا نتیجہ اس طرح سے ہونا چاہیے کہ اہل امیدوار جائز طور پر منتخب ہو، انتخابات کا انعقاد شفاف ہو اور یہ کہ کوئی بھی شخص انتخابی قانون کی کھلی خلاف ورزی یا بدعنوانی کے نتیجے میں منتخب نہ ہو۔ یہی بات پورے انتخابی حلقے کی مفاد میں ہوتی ہے۔

جج Krishna Iyer نے[12] ***Mohinder Singh*** مقدمے میں درج ذیل قانونی نکتہ کو مہارت سے دوبارہ درج ذیل بیان کیا ہے۔

> "ایک انتخابی تنازعہ نجی فریقین کے مابین ایک عمومی مقدمے کی طرح نہیں ہوتا۔ پورا انتخابی حلقہ عدالت کے سامنے یوں تو بالواسطہ لیکن فعال طور پر موجود ہوتا ہے۔۔۔ ہم شاید اس نوعیت کی مقدمہ بازی کو اجتماعی مقدمہ بازی کہہ سکتے ہیں جہاں عدالتی فعالیت انتخابی حلقے کو انصاف کی فراہمی یقینی بناتی ہے، نظام کی شفافیت کی حفاظت کرتی ہے اور امیدواروں کے حقوق کا فیصلہ کرتی ہے۔...اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عدالتیں جو انتخابی تنازعات کا فیصلہ کرتی ہیں وہ فعال کردار ادا کریں اور ہر لحہ اس بات سے باخبر رہیں کہ ایک جج کی طرف سے کیا گیا ہر فیصلہ نجی حقوق سے بالاتر ہوکر انتخابی حلقے اور ملکی جمہوریت کا دفاع کرتا ہے"

اپنے منفرد انداز میں، انہوں نے عدالتوں کی ذمہ داری کو اجاگر کیا کہ وہ انتخابی عمل کی 'ہمہ وقت نگرانی' کریں، 'غیر قانونی رویوں' کو قابو میں لائیں، اور انتخابی تنازعات میں 'عوام کے محافظ' کے طور پر کردار ادا کریں، جیسا کہ:

---

[9] ایلڈریج بنام ہرسٹ [1876] L.R. 1 C.P. 410

[10] سری نواسن بنام الیکشن ٹریبونل [1955] 11 E.L.R. 278.

[11] انعاماتی بسپا بنام دیسائی آیاپا AIR 1958 SC 698

[12] مہندر سنگھ بنام چیف الیکشن کمشنر AIR 1978 SC 851

ہمہ وقت نگرانی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ہر قیمت پر درجہ جاتی حکام کی جانب سے کی جانے والی پہلو تہی، بزدلی یا جانبداری سے متاثر ہوئے بغیر اور طاقت کے ذریعے سے پیدا کیے جانے والے خطرے، غصے یا تشدد سے خوف زدہ ہونے کو بالائے طاق رکھ کر، آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے معیادی عمل کی جانچ کی جائے۔ جمہوریت وہاں اپنی قبر کھودتی ہے جہاں جذبات، کشیدگیاں اور تشدد، امن پسند انتخابات کے نتائج کو متاثر کرتے ہیں، اور انتخابی قانون غیر قانونی طریقوں کے نتائج کو جائز قرار دینے پر مجرم قرار پاتا ہے۔ عدالتی شعبے کی یہاں ایک حساس ذمہ داری ہے کہ وہ ماورائے قانون رویے کو قابو میں لائے۔ عدالت اور قانون عملی طور پر سرکش طاقتوں، سرکاری یا غیر سرکاری، کے مقابلے میں عوام کے محافظ ہوتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کے معاملات کو باریک بینی سے نہ دیکھنا ایک منفی ردعمل کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے"

پاکستان میں مندرجہ بالا قانونی موقف کا اعادہ جج سید جمشید علی نے بالترتیب **دلشاد خان**[13] اور **ارشاد حسین**[14] کے مقدمات میں ذیل انداز میں دہرایا ہے:

"انتخابی تنازعہ عملاً دو فریقین کے مابین نہیں ہوتا بلکہ پورے انتخابی حلقے کو متاثر کرتا ہے جنھیں یہ اصرار کرنے کا حق حاصل ہے کہ اُنکی نمائندگی ایک ایسا شخص کرے جو اکثریت رائے دھندگان کی مرضی سے منتخب ہوا ہو۔ اس لیے یہ عوامی مفاد کے حق میں ہے کہ انتخابی تنازعات کو جلد از جلد حل کیا جائے اور فریقین کو طویل آزمائش میں نہ ڈالا جائے۔۔۔

بنیادی طور پر انتخابی تنازعہ مقدمہ کے فریقین کے مابین نہیں ہوتا بلکہ اس میں پورا انتخابی حلقہ شامل ہوتا ہے اس لیے الیکشن پٹیشن کو بروقت نمٹانے کے لئے تمام کوششیں بروئے کار لانے کی ضرورت ہے اور الیکشن پٹیشن کو دیوانی مقدمے کی طرز پر نہیں سمجھا جانا چاہیے"

ہم نہایت احترام کے ساتھ کہتے ہیں کہ متذکرہ بالا مقدمات میں انتخابی تنازعات کی نوعیت، اور اس ضمن میں عدالتوں اور دیگر عدالتی و نیم عدالتی اداروں کی ذمہ داریوں کا درست طور پر تعین کیا گیا ہے۔ اِن مذکورہ بالا اُصولوں اور قانونی اقتباسات سے اتفاق کرتے ہوئے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اس سلسلے میں اپنی رائے کا خلاصہ دیں۔

10۔ انتخابات جمہوری عمل کا ایک اہم جُز ہیں اور عوام کا بدعنوان اور غیر قانونی عوامل سے پاک، آزادانہ اور شفاف انتخابات کے انعقاد سے گہرا سروکار ہوتا ہے۔ لہذا عام دیوانی مقدمات کے برعکس انتخابی مقدمات میں مفاد عامہ بدرجہ احسن موجود ہوتا ہے۔ انتخابی تنازعہ بنیادی طور پر دوسرے دیوانی مقدمات سے الگ تھلگ ہوتا ہے کیونکہ یہ صرف فریقین کے درمیان تنازعہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی عدالتی کاروائی ہے جہاں انتخابی حلقہ ہی اصل فریق ہوتا ہے۔ ان مقدمات میں نہ صرف مقابلہ کرنے والے امیدواروں یا سیاسی جماعتوں کے حقوق شامل ہیں بلکہ رائے دھندگان، انتخابی حلقے اور عوام کے حقوق بھی شامل ہیں۔ انتخابی مقدمات کا مقصد عوامی عہدوں کو مناسب طریقے سے اہل اور جائز طور پر منتخب امیدواروں کے سپرد کرنا اور انتخابات کی شفافیت کو برقرار رکھنا ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ کوئی بھی انتخابی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں یا بدعنوانی کے ذریعے عوامی عہدہ حاصل نہ کرسکے۔ اس طرح انتخابی مقدمات منفرد خصوصیات رکھتے ہیں کیونکہ ان میں پورے انتخابی حلقے کے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور یہی خصوصیت انہیں عام دیوانی مقدمات سے ممتاز بناتی ہے۔ یہ بنیادی فرق ایک انتخابی مقدمے کو عام دیوانی مقدمے کی طرح سمجھنے اور عدالتی تفتیش کو فریقین کے دلائل تک محدود کرنے کی خامی کی واضح نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ مخالفانہ نظام (Adverserial Proceedings) میں ہوتا ہے.

11۔ یہ بات چونکہ واضح ہے کہ انتخابی مقدمات اجتماعی یا مفاد عامہ کی قانونی چارہ جوئی کی ایک قسم ہے اس لیے اس میں ہونے والی کاروائیاں تفتیشی نوعیت (Inquisitorial) کی ہوتی ہیں۔ اس طرح کے مقدمات میں کسی بھی عدالتی مداخلت کا مقصد انتخابی حلقے کے لیے انصاف کو یقینی بنانا اور انتخابی نظام کی سالمیت کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا عمل **ہمہ وقت عدالتی نگرانی** کا تقاضا کرتی ہے تاکہ کسی بھی نامناسب رویے یا جانبدارانہ انتخابات یا انتظامی حکام کے اثر ورسوخ کی روک تھام کی جاسکے۔ اس حوالے سے عدالتوں پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انتخابی عمل میں قانون شکن رویے کا سدباب کریں۔ کیونکہ اُنکی بے عملی (غفلت) یا تاخیر پورے الیکشن کی قانونی حیثیت اور ساکھ کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے انتخابی تنازعات کا فیصلہ کرنے میں عدالتوں کا انتخابی حلقے کے حقوق اور جمہوری اقدار اور اصولوں کا دفاع کرتے ہوئے ایک فعال کردار تفتیشی انداز میں (Inquisitorial manner) ادا کرنا ضروری ہے۔ اُنہیں ہر حال میں انتخابی عمل میں طاقت کے غلط استعمال یا غیر قانونی اقدام کے مقابلے میں عوام کے بنیادی حقوق کے محافظ کے طور پر کردار ادا کرنا چاہیے۔

---

[13] دلشاد خان بنام ارشد علی 1999 MLD 2874

[14] ارشاد حسین بنام اشرف ناگرہ 2003 YLR 812

12۔ انتخابی تنازعات کو نمٹانے میں عدالتوں کی بنیادی ذمہ داری، رائے دہندگان کی منصفانہ نمائندگی کے حق کا تحفظ کرنا ہے اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ صرف وہی امیدوار جنہوں نے قانونی طور پر منصفانہ عمل کے ذریعے رائے دہندگان کی حمایت حاصل کی ہو وہ اپنا عہدہ سنبھالیں۔ عدالتوں کو سیاسی تعصبات اور مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف قانون اور شہادت کو پیش نظر رکھنا چاہیے تا کہ رائے دہندگان کے مفادات کا تحفظ کیا جاسکے۔ عدالتوں کا انتخابی تنازعات کے حوالے سے یہ نکتہ نظر انتخابی عمل کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے عدلیہ کی وسیع ذمہ داری کی عکاسی کرتا ہے۔ عدالتی درجہ بندی میں اعلیٰ ترین عدالت کے طور پر یہ عدالت رائے دہندگان کے حقوق کو ترجیح دینے اور تحفظ فراہم کرنے کو اپنا اولین فرض سمجھتی ہے تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اُن کی آواز اور انتخابی اداروں میں ان کی نمائندگی انتخابی عمل کے طریقہ کار کی ناکامیوں یا غلطیوں کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔ اس طرح یہ فریضہ انتخابی دورانیے (Electoral cycle) کی جامع نگرانی کے لیے عدالت کے منفرد اور وسیع آئینی ذمہ داری کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ عدالتی نقطہ نظر نہ صرف انتخابی نظام کی قانونی حیثیت کو تقویت دیتا ہے بلکہ اس بات کو یقینی بنا کر جمہوری طرز حکمرانی کی بنیادوں کو بھی مضبوط کرتا ہے تا کہ رائے دہندگان کی منشاء کی درست اور منصفانہ نمائندگی ہو سکے۔

13۔ بد قسمتی سے فریقین کے فاضل وکلاء اپنے دلائل میں انتخابی تنازعات کی نوعیت اور عدالتوں کی ذمہ داری سے متعلقہ متذکرہ بالا قانونی مئوقف کو بینچ کے نوٹس میں نہیں لائے۔ تاہم بینچ کے گیارہ ارکان نے خود اس متذکرہ بالا قانونی حیثیت سے واقفیت رکھتے ہوئے ان حقائق اور قانونی نکات کے بارے میں استفسار کرنا شروع کیا جو کہ نچلی عدالت یعنی پشاور ہائی کورٹ کے سامنے پیش نہیں کیے گئے تھے۔ اگرچہ بینچ کے ان گیارہ ارکان نے حتمی دادرسی دینے پر کسی حد تک اتفاق نہیں کیا لیکن انتخابی تنازعات کی نوعیت اور عدالتوں کی ذمہ داری کے بارے میں حقیقی قانونی پوزیشن کے بارے میں انکی آگاہی نے انھیں تمام متعلقہ معاملات میں وسیع تر اور جامع عدالتی تحقیقات کی طرف راغب کیا جس کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

مقدمہ سے متعلقہ حقائق:

14۔ 15 دسمبر 2023 کو پاکستان الیکشن کمیشن نے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات 2024 کے انتخابی پروگرام کا اعلان کیا۔ اس پروگرام کے مطابق امیدواروں کے لئے ریٹرننگ افسران کے پاس کاغذات نامزدگی جمع کرانے کی آخری تاریخ 22 دسمبر 2023 تھی جسے بعد ازاں بڑھا کر 24 دسمبر 2023 کر دیا گیا۔ 22 دسمبر 2023 کو کمیشن نے سیاسی جماعت پاکستان تحریک انصاف (PTI) کے انٹرا پارٹی انتخابات کے اُس وقت کے زیر التواء معاملے کا بھی فیصلہ کیا کہ پی ٹی آئی نے اپنے انٹرا پارٹی انتخابات اپنے آئین اور انتخابی قوانین کے مطابق نہیں کروائے۔ نتیجتاً کمیشن نے پی ٹی آئی کے انٹرا پارٹی انتخابات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور پی ٹی آئی کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لئے نااہل قرار دے دیا۔ اگرچہ یہ فیصلہ ابتدائی طور پر 26 دسمبر 2023 کو معطل کر دیا گیا تھا اور بعد ازاں پشاور ہائی کورٹ نے 10 جنوری 2024 کو کالعدم قرار دے دیا تھا، تاہم عدالت ہذا نے 13 جنوری 2024 کو کمیشن کے فیصلے کو بحال کر دیا۔ یوں پی ٹی آئی کے امیدواروں کو پی ٹی آئی کا پارٹی نشان الاٹ نہیں کیا گیا بلکہ اسکے بجائے کمیشن نے آزاد امیدواروں کے لئے مختص متفرق نشانات اُن کو الاٹ کیے۔

15۔ انتخابی پروگرام کے دوران جب ریٹرننگ افسران نے الیکشن لڑنے والے امیدواروں کی فہرستیں (فارم۔33)[15] شائع کیں تو انھوں نے پی ٹی آئی کے امیدواروں کو بطور آزاد امیدوار درج کیا۔ پی ٹی آئی کے ایک امیدوار سلمان اکرم راجہ نے اپنے حلقے کے ریٹرننگ آفیسر کی اِس عمل کو کمیشن کے سامنے چیلنج کیا۔ 2 فروری 2024 کو کمیشن نے سلمان اکرم راجہ کی درخواست کو مسترد کر دیا اور انہیں آزاد امیدوار قرار دے دیا۔ اسکے بعد عام انتخابات 8 فروری 2024 کو منعقد ہوئے۔ اور کمیشن نے پی ٹی آئی کے امیدواروں کو الیکشن ایکٹ کی دفعہ 98 کے تحت سرکاری گزٹ میں شائع ہونے والے نوٹیفکیشن میں بطور آزاد کامیاب امیدوار ظاہر کیا۔

16۔ دفعہ 98 کے نوٹیفکیشن کی اشاعت کے بعد آزاد کامیاب امیدواروں کی کافی تعداد، (86 قومی اسمبلی میں، 107 پنجاب اسمبلی میں، 90 خیبر پختونخوا کی اسمبلی میں اور 9 سندھ اسمبلی میں) نے ایک سیاسی جماعت سنی اتحاد کونسل میں قومی اسمبلی اور خیبر پختونخوا، پنجاب اور سندھ کی صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور غیر مسلموں کے لئے مخصوص نشستوں میں متناسب نمائندگی کا حصہ ملنے کے لئے شمولیت اختیار کی اسکے بعد سنی اتحاد کونسل نے کمیشن کو اِن کامیاب اُمیدواروں کی شمولیت کے بارے

[15] دیکھیں قاعدہ نمبر (1)56، The Election Rules, 2017

میں مطلع کیا اور 21 فروری 2024 کو چار الگ الگ درخواستوں کے ذریعے کمیشن سے استدعا کی کہ اُن کے لیے قومی اسمبلی اور مذکورہ تینوں صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور غیر مسلموں کے لئے مختص کردہ مخصوص نشستوں میں ان کا مقررہ حصہ دیا جائے۔

17۔ بعض دیگر سیاسی جماعتوں جیسے کہ پاکستان مسلم لیگ (نواز) اور متحدہ قومی موومنٹ (پاکستان) نے مخصوص نشستوں کے لیے سنی اتحاد کونسل کی درخواست کی مخالفت کرتے ہوئے درخواستیں دیں جس میں استدعا کی گئی کہ اُنہیں اور دیگر اہل سیاسی جماعتوں کو وہ مخصوص نشستیں الاٹ کر دی جائیں۔ کچھ دیگر افراد نے بھی سنی اتحاد کونسل کی درخواست کی مخالفت کرتے ہوئے درخواستیں دائر کیں اور استدعا کی کہ سنی اتحاد کونسل کو پارلیمانی پارٹی کے طور پر نہ سمجھا جائے۔ سیاسی جماعتیں، پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز اور ایم کیو ایم (پاکستان) کی جانب سے دائر درخواست میں غیر اہم مسول الیہ (Proforma Respondent) کے طور پر کمیشن کے سامنے پیش ہوئیں جبکہ سیاسی جماعتیں جمعیت علمائے اسلام پاکستان اور پاکستان مسلم لیگ (پی ایم ایل) کمیشن کے نوٹس کے جواب میں پیش ہوئیں اور سنی اتحاد کونسل کی دائر کردہ درخواست کی مخالفت کی۔

18۔ کمیشن نے اپنے حکم نامہ مورخہ 1 مارچ 2024 کے ذریعے سنی اتحاد کونسل کی درخواستوں کو مسترد کر دیا اور فیصلہ دیا کہ خواتین اور غیر مسلموں کے لئے مخصوص نشستیں، جن کے حصول کی استدعا سنی اتحاد کونسل نے کی اور جو مسترد ہوئی، وہ نشستیں دیگر سیاسی جماعتوں کو متناسب نمائندگی کے اصول کے مطابق دی جائینگی۔ اس طرح وہ مخصوص نشستیں (قومی اسمبلی میں خواتین کے لئے 19 اور غیر مسلموں کے لئے 3، خیبر پختونخوا اسمبلی میں خواتین کے لئے 21 اور غیر مسلموں کے لئے 4؛ پنجاب اسمبلی میں خواتین کے لئے 24؛ اور غیر مسلموں کے لئے 3؛ اور سندھ اسمبلی میں خواتین کے لئے 2 اور غیر مسلموں کے لئے 1۔ مجموعی طور پر 78، جو بعد ازاں "**متنازع مخصوص نشستیں**" کہلائیں گی) دیگر سیاسی جماعتوں کو دے دی گئیں۔ سنی اتحاد کونسل نے کمیشن کے حکم کو پشاور ہائی کورٹ کے سامنے رٹ میں چیلنج کیا۔

پشاور ہائی کورٹ نے اپنے حکم نامہ مورخہ 25 مارچ 2024 کے فیصلے ("زیر اعتراض فیصلہ") کے ذریعے سنی اتحاد کونسل کی درخواست کو مسترد کر دیا اور کمیشن کے حکم کو برقرار رکھا۔ اس لئے یہ اپیلیں دائر کرنے کے لئے سنی اتحاد کونسل نے عدالت ہذا سے اجازت مانگی۔

<u>پی ٹی آئی کی فریق مقدمہ بننے کی درخواست (سی ایم اے نمبر 5913/2024)۔</u>

19۔ ان اپیلوں کے زیر التواء ہونے کے دوران پی ٹی آئی نے ان اپیلوں میں فریق بننے کے لئے درخواست دائر کی اور اس میں وہ حقائق اور حالات بیان کئے جنکی وجہ سے اُن کے کامیاب امیدواروں کو سنی اتحاد کونسل میں شمولیت اختیار کرنی پڑی۔ پی ٹی آئی نے اپنی درخواست میں دیگر باتوں کے ساتھ یہ بھی کہا کہ پی ٹی آئی نے اپنے امیدواروں کو پارٹی ٹکٹ جاری کر دیئے تھے جو کہ انتخابی نشانات کی الائمنٹ کے لئے مقررہ دن 13 جنوری 2024 کو شام 4 بجے تک متعلقہ ریٹرننگ افسران کے پاس جمع کرائے جانے تھے۔ عدالت عظمیٰ نے پی ٹی آئی کے انٹرا پارٹی انتخابات اور اسکے انتخابی نشان کے معاملے میں پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف کمیشن کی اپیل 12 جنوری 2024 کو سماعت کے لئے مقرر کی جسکی سماعت 13 جنوری 2024 کی شام تک جاری رہی۔

19.1۔ اُس دن شام 4 بجے کے بعد عدالت عظمیٰ سے آنے والے ممکنہ خلاف فیصلے کے پیش نظر پی ٹی آئی نے ایک اور سیاسی جماعت پی ٹی آئی نظریاتی کے ساتھ معاہدہ کیا جسکے تحت مذکورہ پارٹی کی جانب سے پی ٹی آئی کے امیدواروں کو پارٹی ٹکٹ جاری کئے گئے تا کہ پی ٹی آئی کے امیدواروں کے لیے رائے دہندگان کے ایک بڑے حصے کو حق رائے دہی سے محروم ہونے سے بچانے کے لئے مشترکہ نشان حاصل کیا جاسکے۔ تاہم اُسی دن پی ٹی آئی نظریاتی کے چیئرمین قومی ٹیلی ویژن پر نمودار ہوئے اور جاری کردہ ٹکٹوں سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ تقریباً اُسی وقت کمیشن نے 13 جنوری 2024 کو ایک حکم نامہ بھی جاری کیا جس میں ریٹرننگ افسران کو ہدایت کی گئی کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے امیدواروں کے ٹکٹ قبول نہ کریں جن کا تعلق دوسری سیاسی جماعت سے ہو۔ اس لیے پی ٹی آئی کے بیشتر امیدواروں نے پی ٹی آئی نظریاتی کے ٹکٹ واپس لے لئے اور پی ٹی آئی کے جاری کردہ ٹکٹ ریٹرننگ افسران کو جمع کرا دیئے جو کچھ ریٹرننگ افسران نے وصول کر لیے جبکہ دیگر نے معاملہ عدالت عظمیٰ میں زیر سماعت ہونے کی بنیاد پر وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

19.2۔ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے انتظار میں کمیشن نے پارٹی ٹکٹ جمع کرانے اور انتخابی نشانات کی الاٹمنٹ کا وقت اُس دن 12 بجے تک بڑھا دیا۔ عدالت عظمیٰ نے 13 جنوری 2024 کی رات تقریباً 11 بجے اپنے مختصر حکم نامے کا اعلان کیا جس کی بنیاد پر ریٹرننگ افسران نے پی ٹی آئی کے ٹکٹ مسترد کر دیے اور پی ٹی آئی کے امیدواروں کو آزاد امیدوار گردانتے ہوئے انھیں متفرق انتخابی نشانات الاٹ کر دیئے۔ انتخابات 8 فروری 2024 کو منعقد ہوئے اور پی ٹی آئی کے امیدوار بڑی تعداد میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے نشستوں پر کامیاب ہوئے۔ اِن امیدواروں کو الیکشن قواعد 2017 کے قاعدہ نمبر 94 اور عدالت عظمیٰ کے 13 جنوری 2024 کے فیصلے پر انحصار کرتے ہوئے آزاد کامیاب امیدواروں کے طور پر نوٹیفائی کیا گیا۔

19.3۔ کمیشن نے اس سے قبل 2018 میں ایک سیاسی جماعت، بلوچستان عوامی پارٹی، کو مخصوص نشستوں کے حصول کا اہل قرار دیا تھا حالانکہ اُس نے بطور سیاسی جماعت عام نشستوں پر الیکشن نہیں لڑا تھا۔ لہذا پی ٹی آئی کے حمایت یافتہ کامیاب امیدواروں نے سنی اتحاد کونسل میں شمولیت اختیار کی جس کے ساتھ پی ٹی آئی کا جاری اتحاد/تعلق تین دن کے اندر بنایا گیا تاکہ مخصوص نشستوں کی الاٹمنٹ کا حقدار بن سکے۔ پی ٹی آئی نے اپنی درخواست میں درج ذیل دلائل بھی دیئے۔؛

> آئین کے آرٹیکل (e) اور (d) 51(6) اور (c) 106(3) کا بنیادی مقصد نمائندہ قومی اسمبلی اور نمائندہ صوبائی اسمبلیوں کا قیام ہے۔ پی ٹی آئی کو مخصوص نشستیں نہ دینے سے قومی اسمبلی کے ساتھ ساتھ صوبائی اسمبلیاں مکمل طور پر عوامی منشاء کے برعکس غیر نمائندہ رہیں گی۔ سنی اتحاد کونسل/پی ٹی آئی کو مخصوص نشستوں سے انکار کرنا اور دیگر سیاسی جماعتوں کے لئے غیر متناسب تعداد میں مخصوص نشستیں دینا عوامی اُمنگوں سے انکار کرنے کے مترادف ہوگا۔

مذکورہ بالا استدعا اور اپنے دلائل میں پی ٹی آئی نے یہ موقف اپنایا کہ متنازعہ مخصوص نشستیں یا تو پی ٹی آئی کو دی جائیں یا پھر سنی اتحاد کونسل کو۔

سنی اتحاد کونسل یا پی ٹی آئی کو مخصوص نشستیں مختص کرنے کا دعویٰ:

20۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنے دلائل کے دوران سنی اتحاد کونسل کے فاضل وکیل نے ان حالات کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کی جن کے تحت کامیاب اُمیدواروں نے، جو اُن کے مطابق پی ٹی آئی کے اُمیدوار تھے، سنی اتحاد کونسل میں شمولیت اختیار کی۔ تاہم اس موقع پر بینچ کے بعض معزز ارکان نے اُنھیں روکا، اور استفسار کیا کہ وہ متضاد دلائل کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ اُنھوں نے تو سنی اتحاد کونسل کی وکالت کرنی تھی نہ کہ پی ٹی آئی کی۔ ہم احتراماً کہتے ہیں کہ سنی اتحاد کونسل اور پی ٹی آئی نے متضاد موقف اختیار نہیں کیے کیونکہ دونوں نے اُن مخصوص حالات پر ایک ہی موقف اپنایا جن کی بنیاد پر کامیاب اُمیدواروں نے سنی اتحاد کونسل میں شمولیت اختیار کی۔ دونوں نے اس بات پر زور دیا کہ یہ اُن لوگوں کا حق ہے جنھوں نے ووٹ سے اپنے امیدواروں کو کامیاب بنایا اس لیے متنازعہ مخصوص نشستیں سنی اتحاد کونسل یا پی ٹی آئی کو دینے سے اُنکے اس عوامی حمایت (مینڈیٹ) کی عکاسی ہونی چاہیئے۔

قانونی سوالات:۔

مندرجہ بالا حقائق اور فریقین کے فاضل وکلاء کے دلائل کی بنیاد پر درج ذیل قانونی سوالات کا تعین کرنا ضروری ہے۔

(i) الیکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ (5)215 کے تحت کسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دینے کا کیا نتیجہ ہے؟ کیا ایسا حکم نامہ سیاسی جماعت کے دیگر آئینی اور قانونی حقوق کو متاثر کرتا ہے؟

(ii) کیا کسی سیاسی جماعت کی طرف سے نامزد کردہ امیدوار، جو انتخابی نشان حاصل کرنے کا اہل نہ ہو، کو امیدواروں کی فہرست (فارم 33) میں بطور آزاد امیدوار ظاہر کیا جا سکتا ہے، اور کیا ایسے کامیاب امیدوار کو سیکشن 98 کی نوٹیفکیشن میں بطور آزاد کامیاب امیدوار بتایا جا سکتا ہے؟

(iii) کیا آئین کے آرٹیکلز (e)(d)(6)51 اور (c)(3)106 ان سیاسی جماعتوں کا حوالہ دیتے ہیں جنھوں نے عام نشستوں پر مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی یا تمام رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کا؟ اور

(iv) آئین کے آرٹیکل (e) (6) (d)51 اور (3)(c)106 کے تحت مخصوص نشستوں کی تفویض کے لیے سیاسی جماعت کی متناسب نمائندگی کا حساب کیسے لگایا جائے گا؟

ہم مندرجہ بالا سوالات پر باری باری بحث کریں گے اور اُنکا فیصلہ کریں گے۔ تاہم ایسا کرنے سے پہلے ہم آئین کے آرٹیکل (2)17 اور 19 کے ذریعے فراہم کردہ بنیادی حقوق کے دائرہ کار کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ سارا معاملہ اسی پر منحصر ہے اور مذکورہ بالا تمام سوالات کے جوابات اسی سے ہی جُڑے ہوئے ہیں۔

آئین کے آرٹیکل (2) 17 کے تحت فراہم کردہ بنیادی حق کا دائرہ کار:

22۔ آئین کے آرٹیکل (2)17 کے مندراجات کا ذیل میں تذکرہ بطورِ مطالعہ اور حوالہ کی آسانی کے لئے دیا گیا ہے۔

آئین کا آرٹیکل (2)17:

> ہر شہری، جو ملازمت پاکستان میں نہ ہو، پاکستان کی حاکمیت اعلی، سالمیت کی مفاد میں، قانون کے ذریعے عائد کردہ، معقول پابندیوں کے تابع کوئی سیاسی جماعت بنانے یا اسکا رکن بننے کا حق ہو گا اور مذکورہ قانون میں قرار دیا جائے گا کہ جبکہ وفاقی حکومت یہ اعلان کر دے کہ کوئی سیاسی جماعت ایسے طریقے پر بنائی گئی ہے یا عمل کر رہی ہے جو پاکستان کی حاکمیت اعلی یا سالمیت کے لیے مضر ہے تو وفاقی حکومت مذکورہ اعلان سے پندرہ دن کے اندر معاملہ عدالت عظمیٰ کے حوالے کر دے گئ جس کا مذکورہ حوالے پر فیصلہ قطعی ہو گا۔

آئین کے آرٹیکل (2)17 کا ظاہری متن پاکستان کے ہر شہری کو ضمانت دیتا ہے کہ وہ کوئی سیاسی جماعت بنانے یا اُس کا رکن بننے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ وہ سرکارِ پاکستان کا ملازم نہ ہو۔ اس آرٹیکل کے مطابق قانون کے ذریعے اس حق پر معقول پابندیاں صرف پاکستان کی خود مختاری یا سالمیت کے مفاد میں لگائی جا سکتی ہیں۔ اس حق کو آئین سازوں نے اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ اس پر قدغن کا فیصلہ متذکرہ بالا دو وجوہات کی بناء پر، کسی دیگر عدالت کی بجائے، صرف ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت یعنی عدالت عظمیٰ پاکستان کو تفویض کیا گیا ہے۔ اس حق کا تحفظ جمہوریت اور نمائندہ حکومت کو یقینی بنانے کے لیے اس قدر ضروری ہے کہ اسکی اہمیت کو مبالغہ آرائی نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ تمام عدالتوں اور ٹربیونلز کو اس آرٹیکل کے ذریعے دیئے گئے، حق کو نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ عدالت (عدالت عظمیٰ پاکستان) اسکی محافظ اعلیٰ ہے۔ لہذا یہ اس عدالت کی آئینی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اس آرٹیکل کے ذریعے دیے گئے حق کی حفاظت کرے جو کہ اِسے خاص طور پر تفویض کیا گیا ہے اس لیے ہم نے رائے دہندگان اور سیاسی جماعتوں، دونوں کے بنیادی حقوق کے نفاذ سے متعلق تمام متعلقہ حقائق اور قانونی نکات کی وسیع تر اور جامع عدالتی تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا۔

23۔ جیسا کہ اس عدالت نے *Nawaz Sharif*[16] کیس میں قرار دیا ہے کہ آئین جو کہ ایک نامیاتی دستاویز ہے کے تحت دیے گئے بنیادی حقوق کی تعریف اور دائرہ کار کو مستقل بنیادوں یا وقتی طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ، سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات میں تبدیلیاں آتی ہیں، جو اُن کے معنی اور دائرہ کار کی دوبارہ جانچ کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہیں۔ لہذا معاشرے کی مروجہ سماجی، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی اقدار اور نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالتیں آئین کے تحت بنیادی حقوق کو ترقی پسند، وسیع النظری اور متحرک نقطہ نظر سے تعبیر کرتی ہیں۔ یہ اندازِ فکر اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ بنیادی حقوق، معاشرے کی ارتقائی ضروریات اور خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے، شہریوں کے حقوق اور آزادیوں کی متحرک اور موثر ضمانت بنے رہیں۔ اس اندازِ فکر کے ساتھ عدالتیں بنیادی حقوق کی ایسی تشریح کرتی ہیں جس سے بدلتے وقت کے ساتھ انہیں "زندگی اور وجود"[17] مل سکے۔

24۔ بنیادی حقوق کی تشریح کے مندرجہ بالا اصولوں کے پیش نظر، اس عدالت نے متعدد مقدمات میں آرٹیکل (2)17 میں دیئے گئے حق یعنی، سیاسی جماعت بنانے یا اسکا رکن بننے کا حق، کے دائرہ کار کی وضاحت کی ہے اور قرار دیا ہے کہ اس میں سیاسی جماعت کے طور پر کام کرنا،[18] سیاسی جماعت کی حیثیت سے الیکشن کے عمل

---

[16] نواز شریف بنام صدر پاکستان PLD 1993 SC 473

[17] گریسوالڈ بنام کنیکٹیکٹ 479 US 381 (1965) جج ڈگلس کے مطابق۔

[18] بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1988 SC 416; بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1989 SC 66 اور نواز شریف بنام صدر پاکستان PLD 1993 SC 473۔

میں حصہ لینا/الیکشن لڑنا،[19] اکثریت حاصل کرنے کی صورت میں حکومت بنانا اور مقررہ مدتِ حکومت مکمل کرنا،[20] انفرادی حیثیت میں یا کسی سیاسی جماعت کے رکن کے طور پر الیکشن لڑنے کا حق،[21] منتخب نمائندوں[22] کے ذریعہ حکومت چلانے کا حق،[23] اور ووٹ دینے کے حقوق شامل ہیں۔[24] بنیادی حقوق کا یہ گلدستہ ایک عملی اور قابل عمل جمہوریت اور نمائندہ حکومت کو یقینی بناتا ہے۔ اس میں یہ اصول پنہاں ہے کہ "نمائندگی ہی دراصل جمہوریت ہے"۔[25] لہذا آرٹیکل (2)17 کے تحت دیا گیا حق آئینی مقصد کی تکمیل اوراِس اصول کی بارآوری کے لیے ضروری ہے جس میں ریاست اپنے اختیارات اور طاقت کو عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرتی ہے۔

آرٹیکل 19 میں فراہم کردہ حق رائے دہی اور آزادی اظہار رائے:

25۔ مزید برآں، اظہار خیال کی ایک شکل کے طور پر، ووٹ کا حق آزادی اظہار رائے کے بنیادی حق کا حصہ ہے جسکی ضمانت آئین کے آرٹیکل 19 میں دی گئی ہے جسکا[26] حوالہ ذیل میں آسانی کے لیے دیا گیا ہے۔

آرٹیکل 19؛

> اسلام کی عظمت یا پاکستان یا اسکے کسی حصہ کی سالمیت، سلامتی یا دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امن عامہ، تہذیب یا اخلاق کے مفاد کے پیش نظر یا توہین عدالت، کسی جرم کے ارتکاب یا اسکی ترغیب سے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق ہوگا۔

آزادیِ تقریر اوراظہارِ رائے کا حق دیگر تمام حقوق کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔[27] کسی سیاسی جماعت یا کسی آزاد امیدوار کے لیے ووٹ ڈالنے کا عمل دراصل ایک طرح کا اظہار رائے ہے جو کہ آئین میں، جمہوریت کے جواز اور مقننہ کے توثیق کے طور پر، بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب لوگ اپنا ووٹ ڈالتے ہیں، تو وہ اس بات پر رائے دہی کرتے ہیں کہ اُن کے معاشرے میں حکمرانی کس طرح ہونی چاہیے، کس کی ہونی چاہیے اور کن پالیسیوں کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ اظہار کی ایک اہم شکل ہے کیونکہ یہ رائے دہندگان کی مرضی کا احاطہ کرتا ہے اور عوامی ترجیحات کا عندیہ دیتا ہے۔

26۔ جمہوری تناظر میں، اظہار رائے کی آزادی انفرادی رائے دہی سے ایک قدم بڑھ کر اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے سماج یا قوم کی سیاسی منشاء کے اجتماعی اظہار کا احاطہ کرتی ہے- دراصل آزادی اظہار رائے اور نمائندگی کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ ایک حقیقی نمائندہ حکومت نہ صرف اپنے لوگوں کے اجتماعی اظہار کی آئینہ دار ہوتی ہے بلکہ اس بات کو بھی یقینی بناتی ہے کہ یہی تاثرانداز حکمرانی میں نمایاں ہو۔ اسی لیے سیاسی جماعتیں بنانے کا حق، الیکشن لڑنے کا حق اور ووٹ ڈالنے کا حق، نمائندگی اور آزادی اظہار کی اہم توسیعات ہیں جو سماجی طور پر منصفانہ ماحول کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہیں۔

27۔ آئین کے آرٹیکل (2)17 اور آرٹیکل 19 میں درج بنیادی حقوق سیاسی شراکت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور نمائندہ جمہوریت کے کارآمد رہنے میں اہم کردار ادر کرتے ہیں۔ آرٹیکل (2)17 جمہوریت کے تحفظ میں سیاسی شراکت داری کے اہم کردار کو اُجاگر کرتے ہوئے، سیاسی جماعتیں بنانے یا اس میں شامل ہونے کے حق کی ضمانت دیتا ہے۔ جبکہ آرٹیکل 19 اظہار رائے کی آزادی سے متعلق ہے۔ جو کہ رائے دہندگان کی اظہار رائے کے ذریعے حکومت کی تشکیل پر اثرانداز ہونے کی

---

[19] ایضاً

[20] نواز شریف بنام صدر کی پاکستان PLD 1993 SC 473

[21] جاوید جبار بنام کی فیڈریشن پاکستان PLD 2003 SC 955

[22] اظہر صدیقی بنام فیڈریشن کی پاکستان PLD 2012 SC 774

[23] صوبہ کی سندھ بنام ایم کیو ایم پی ایل ڈی. PLD 2014 SC 531

[24] ڈیوڈ پلاٹکے، Representation is Democracy، کانسٹلیشن 4(1)(1997)۔

[25] آئین کے تمہید اور آرٹیکل 2A قرارداد مقاصد کو ملا کر پڑھیں۔

[26] صوبہ سندھ بنام ایم کیو ایم PLD 2014 SC 531

[27] یک وو بنام ہاپکنز، 118 U.S. 356 (1886)

صلاحیت کے لیے لازمی ہے۔ یہ دونوں آرٹیکلز، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ ہر شہری کی آواز اور انتخاب کو سنا جائے اور سیاسی عمل میں اُسکی نمائندگی ہو، بیک وقت انتخابی سالمیت اور سیاسی انصاف کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔

28۔ آئین کے آرٹیکل (2)17 اور 19 کے ذریعے فراہم کردہ حقوق کے دائرہ کار کو مختصراً بیان کرنے کے بعد ہم اب سوالات پر غور کریں گے اور اس حق کے مضمرات کا مزید جائزہ لیں گے۔

(i) الیکشن ایکٹ 2017 کی دفعہ (5)215 کے تحت کسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دینے کا کیا نتیجہ ہے؟ کیا ایسا حکم نامہ سیاسی جماعت کے دیگر آئینی اور قانونی حقوق کو متاثر کرتا ہے؟

29۔ آئین کے آرٹیکل (2)17 کے تحت سیاسی جماعت بنانے کے بنیادی حق کو الیکشن ایکٹ 2017 ("الیکشن ایکٹ") ریگولیٹ کرتا ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ (xxviii)2 کے تحت ایک سیاسی جماعت کی تعریف کی گئی ہے جس سے مراد شہریوں کی تنظیم یا جماعت یا تنظیموں کا مجموعہ یا ان کا گروہ، جو سیاسی رائے عامہ کی تشہیر، اُس کو متاثر کرنے اور کسی بھی منتخب عوامی عہدے یا قانون ساز ادارے کی رکنیت بشمول اسمبلی، سینٹ، یا لوکل گورنمنٹ کے انتخابات میں حصہ لینے کے نظریے کے ساتھ بنائی گئی ہو۔ الیکشن ایکٹ کا باب 11 دفعہ 200 سے لے کر 213 بشمول دیگر، سیاسی جماعت کی تشکیل، اندراج، رکنیت، فرائض، انٹرا پارٹی انتخابات، فنڈز کے ذرائع، اور سیاسی جماعتوں کے تحلیل، وغیرہ سے متعلق ہیں۔

30۔ دفعہ 202 الیکشن ایکٹ، کمیشن کو کسی سیاسی جماعت کے اندراج کے لیے پابند بناتی ہے بشرطیکہ اندراج کی درخواست کے ساتھ مندرجہ معلومات فراہم کی جائیں۔ (i) سیاسی جماعت کے آئین کی نقل (ii) سرٹیفکیٹ اور دفعہ 201 اور 209 کے تحت داخل ہونے والی درکار معلومات (iii) دفعہ 210 کے تحت اسکے اکاونٹس کے مشترکہ گوشوارے کی ایک نقل (iv) کم از کم دو ہزار ممبران کی فہرست معہ دستخط یا نشانات انگوٹھا جات اور انکے قومی شناختی کارڈ کے نقول، اور (v) اندراج کی فیس کے طور پر سرکاری خزانے میں کمیشن کے حق میں مبلغ دو لاکھ روپے جمع کروانا شامل ہیں۔ سیاسی جماعت کمیشن کی طرف سے اُسکے اندراج سے انکار کی صورت میں عدالت عظمیٰ میں اپیل دائر کر سکتی ہے۔ یہ دفعہ آئین کے آرٹیکل (2)17 میں دیئے گئے عدالت عظمیٰ کے اس آئینی اختیار کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے جس کے تحت عدالت عظمیٰ کو حتمی محافظ کے طور پر ذمہ داری تفویض کی گئی ہے۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ الیکشن ایکٹ کے تحت ایک بار اگر کسی سیاسی جماعت کا اندراج فہرست میں ہو جائے تو پھر اُسے فہرست سے نکالا نہیں جا سکتا۔ دفعہ 202 کی ذیلی دفعہ (5) کے تحت سیاسی جماعت کے اندراج کو منسوخ کرنے کا کمیشن کا اختیار صرف اُن سیاسی جماعتوں سے متعلق ہے جو اس الیکشن ایکٹ کے نفاذ سے پہلے درج کی گئی تھیں، یعنی گزشتہ ایکٹ کے تحت۔ جبکہ دفعہ 212 میں سیاسی جماعتوں کو تحلیل کرنے کے حوالے سے جو شقیں دی گئی ہیں وہ آئین کے آرٹیکل (2)17 جیسی ہی ہیں۔

31۔ اس مقدمہ سے متعلقہ زیادہ اہم دفعات 208 اور 209 ہیں جو سیاسی جماعتوں کے پارٹی کے اندرونی انتخابات سے متعلقہ دفعات ہیں۔ دفعہ 208 کے مطابق سیاسی جماعت کے عہدیداروں کا انتخاب سیاسی جماعت کے آئین کے مطابق وقتاً فوقتاً کیا جاتا ہے بشرطیکہ کسی بھی دو انتخابات کے درمیان پانچ سال سے زیادہ کا وقفہ نہ ہو۔ پارٹی کے اندرونی انتخابات کے انعقاد کے بعد متعلقہ سیاسی جماعت اپنے مرکزی عہدیداروں کی تازہ ترین فہرست اپنی ویب سائٹ پر شائع کرے گی اور یہ فہرست الیکشن کمیشن کو بھی بھیجے گی۔ اسی طرح دفعہ 209 کے تحت سیاسی جماعت کے اندرونی انتخابات کی تکمیل کے سات دنوں کے اندر، وہ سیاسی جماعت اپنے سربراہ کی طرف سے نامزد کردہ عہدیدار کے دستخط کے ساتھ ایک سرٹیفکیٹ الیکشن کمیشن میں جمع کروائی گی کہ انتخابات کا انعقاد سیاسی جماعت کے آئین کے مطابق ہوا ہے۔ اس سرٹیفکیٹ میں درج ذیل معلومات ہونی چاہئے؛ (a) آخری انٹرا پارٹی انتخابات کی تاریخ؛ (b) وفاقی، صوبائی اور مقامی سطح پر منتخب عہدیداروں کے نام، عہدہ اور پتہ جات جہاں بھی قابل اطلاق ہوں؛ (c) انتخابی نتائج؛ اور (d) سیاسی جماعت کے اندرونی انتخابات کے نتائج کے نوٹیفکیشن کی نقل۔ نتائج کا اعلان کرنے والی سیاسی جماعت کی طرف سے موصول ہونے والے سرٹیفکیٹ کے سات دنوں کے اندر کمیشن کو اپنی ویب سائٹ پر اُسے شائع کرنا ہوتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دفعہ (5)208 کے تحت جہاں سیاسی جماعت اپنے آئین میں دیئے گئے وقت کے مطابق، کمیشن کے نوٹس دینے کے باوجود، اپنی جماعت کے اندر انتخابات کرانے میں ناکام رہتی ہے (لیکن پانچ سال کی قانونی مدت سے زیادہ نہ ہو) تو ایسی صورت میں کمیشن جرمانہ عائد کر سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ دو لاکھ روپے تک اور کم سے کم ایک لاکھ روپے تک ہو سکتا ہے جبکہ دفعہ

209 کی عدم تعمیل کے نتائج کا ذکر دفعہ 215(5) میں کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق جماعت کے سربراہ کی طرف سے نامزد کردہ عہدیدار کے دستخط شدہ مخصوص معلومات کا سرٹیفکیٹ داخل کرنا ہوتا ہے جو اس سے متعلقہ ہوتا ہے کہ جماعت کے انتخابات کا انعقاد سیاسی جماعت کے آئین کے مطابق ہوئے ہیں۔

32۔ الیکشن ایکٹ کی دفعہ 215(5)[28] میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر سیاسی جماعت دفعہ 209 (انٹرا پارٹی انتخابات سے متعلق) یا دفعہ 210 (پارٹی کے فنڈز کے ذرائع سے متعلق) پر عمل درآمد میں ناکام ہو جاتی ہے تو کمیشن سماعت کا موقع فراہم کرنے کے بعد مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ)، صوبائی اسمبلی یا مقامی حکومت کے انتخابات کے لئے انتخابی نشان کے حصول کے لیے نااہل کر سکتا ہے اور اعلامیہ جاری کر سکتا ہے کہ بعد میں ہونے والے انتخابات میں بھی ایسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان الاٹ نہیں کیا جائے گا۔ دفعہ 215(5) میں استعمال کردہ لفظ "May"، الیکشن کمیشن کے مزکورہ اعلامیہ جاری کرنے کے صوابدیدی اختیار کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ اختیار بھی تمام حکومتی اہلکاران کے دیگر صوابدیدی اختیارات کی مانند ہے جس کا استعمال ہر مقدمہ کے مخصوص حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے عادلانہ، منصفانہ اور معقول طریقے کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ اس طرح کے اعلامیہ کے نتائج کو واضح کر دیا گیا ہے لہذا اسے کمیشن کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ جیسا کہ دفعہ 215(5) میں بتایا گیا ہے کہ اس اعلامیہ کا نتیجہ یہ ہے کہ کمیشن آئندہ ہونے والے انتخابات میں ایسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان الاٹ نہیں کرے گا۔

تعزیراتی یا بنیادی حقوق میں تخفیف سے متعلقہ قوانین کی محدود تشریح کا اصول۔

33۔ قوانین کی تشریح میں یہ عظیم اصول کارفرما ہے کہ جہاں پر کوئی قانونی شق تعزیری نتائج برآمد کرتا ہو، خواہ وہ فوجداری قانون ہو[29] یا دیوانی قانون[30]، تو اُسے محدود طریقے سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔ تعزیراتی قوانین کی محدود تشریح کے اس اُصول کو "مشکوک سزاء(doubtful penalisation)" کے خلاف اصول بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ واضح قانون کے علاوہ کسی شخص کو سزا نہیں دی جانی چاہیے اور اگر متعلقہ دفعات کی تشریح میں کوئی معقول شک یا ابہام ظاہر ہو تو اِسے اُس شخص کے حق میں جانا چاہیے جو سزاء کا ذمہ دار قرار پایا جاتا ہو۔ قیاس یا مفروضے کی بنیاد پر قانون میں کوئی سزاء یا تعزیراتی نتائج شامل نہیں کیے جاسکتے۔ تعزیراتی کاروائی صرف قانون کی واضح اور صریح دفعات کی بناء پر کی جاسکتی ہے۔ ایک تعزیراتی عمل کے بذات خود اور اس کے متحمل شخص، دونوں کو قانون کے صریح الفاظ کے زُمرے میں آنا چاہیے۔ عدالتوں کو قانون کے الفاظ کو تعزیراتی دفعات کے دائرے میں لانے کے لیے اُنکے معنی کو دبانا یا کھینچنا نہیں چاہیے۔ یعنی آزادانہ تشریح کے ذریعے تعزیراتی دفعات کا دائرہ کار نہیں بڑھانا چاہیے۔ مزید بر آں اگر تعزیراتی شق میں دو طرح کی تشریحات ممکن ہوں تو جس میں سزا نہ بڑھتی ہو اُس کو اپنایا جائے۔ کسی بھی معقول شک یا ابہام کا فائدہ اس شخص کو دیا جائے جو سزا کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو اور سزا سے بچنے والی تشریح کو اختیار کیا جائے گا[31]۔

34۔ آئینی اور قانونی تشریح کا ایک دیگر قائم شدہ اصول یہ ہے کہ جب آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق کو ترقی پسند اور وسیع نظریے[32] سے تشریح کرنا ہو، تو آئین یا کسی بھی قانون میں موجود وہ دفعات جو بنیادی حقوق کو تخفیف کرتی ہیں، تو ایسے حالات میں اُن کی محدود طور پر[33] تشریح کرنی چاہیے۔ یہ اصول اُن حقوق پر اثر

---

[28] **215۔ کسی جماعت کے انتخابی نشان حاصل کرنے کی اہلیت۔**(5) اگر کسی سیاسی جماعت یا جماعتوں کو ذیلی دفعہ (4) کے تحت شوکاز نوٹس جاری کیا گیا ہے اور وہ دفعہ 209 یا دفعہ 210 کی شقوں کی تعمیل میں ناکام رہتی ہیں، تو کمیشن، انہیں سننے کا موقع فراہم کرنے کے بعد، اسے یا انہیں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ)، صوبائی اسمبلی یا مقامی حکومت کے انتخابات کے لیے انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دے سکتا ہے، اور کمیشن آئندہ انتخابات میں ایسی سیاسی جماعت یا جماعتوں کے مجموعے کو انتخابی نشان الاٹ نہیں کرے گا۔

[29] محمد علی بنام اسٹیٹ بینک آف پاکستان 1973 SCMR 140; ایف بی علی بنام اسٹیٹ PLD 1975 SC 506؛ ایم بی عباسی بنام ریاست 2009 SCMR 808؛ زاہد رحمان بنام اسٹیٹ PLD 2015 SC 77; طاہر نقاش بنام اسٹیٹ PLD 2022 SC 385۔

[30] پی آئی اے کارپوریشن بنام لیبر کورٹ PLD 1978 SC 239; فیڈرل لینڈ کمیشن بنام غلام قادر 1983SCMR 867; صدیق خان بنام عبدالشکور PLD 1984 SC 289; یو بی ایل بنام یوسف ڈھڈی 1988 SCMR 82؛ وکلاء محاذ بنام فیڈریشن پاکستان PLD 1998 SC 1263; BISE بنام رضوان رشید 2005 SCMR 728; طاہر حسین بنام لیاقت علی 2014 SCMR 637 اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان بنام ایس ای سی پی PLD 2018 SC 52۔

[31] میکسویل کی آئین کی تشریح (12ویں ایڈ) pp. 238-240 اور بینین کی قانونی تشریح (7th ایڈ.) صفحہ 715-717۔

[32] نواز شریف بنام صدر پاکستان PLD 1993 SC 473؛ جسٹس قاضی فائز عیسیٰ بنام صدر پاکستان 2022 SCP 140 جج مقبول باقر وغیرہ کے مطابق اور حمزہ راشد بنام الیکشن اپیلیٹ ٹربیونل 2024 SCP 66 جج سید منصور علی شاہ، کے مطابق۔

[33] ایف۔بی۔ علی بنام ریاست PLD 1975 SC 506؛ بینظیر بھٹو بنام وفاق پاکستان PLD 1988 SC 416؛ غلام مصطفی جتوئی بنام ریٹرننگ آفیسر 1994 SCMR 1299؛ وکلا محاذ بنام وفاق پاکستان PLD 1998 SC 1263 اور حمزہ راشد بنام الیکشن اپیلیٹ ٹربیونل 2024 SCP 66 جج سید منصور علی شاہ کے مطابق۔

انداز ہونے والے قوانین کی محدود تشریح کے بڑے اصول سے جنم لیتا ہے، جو کہ کامن لاء (Common Law) کے تحت تسلیم شدہ تمام بنیادی حقوق پر لاگو ہوتا ہے، چاہے جن کی ضمانت آئین میں دی گئی ہو یا نہیں۔ اس اصول کے تناظر میں، ایسے قوانین جو عام شہری کے حقوق کو غصب کرتے ہیں، وہ بھی محدود تشریح کے اُصول کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو حقوق کے تحفظ کی تشریح، شک و شبہات کی صورت میں اس طرح کی جائے کہ حقوق کو تحفظ مل سکے۔[34] ایک آئینی جمہوریت میں، قوانین شہریوں کے انفرادی حقوق اور آزادیوں کے بارے میں حساس ہوتے ہیں لہذا عوامی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں کم سے کم مداخلت ہونی چاہیے۔ ایسے قوانین کی وسیع اور آزادانہ تشریح اپنانے سے انفرادی حقوق اور آزادیوں کو اُس حد سے زیادہ کم نہیں کیا جا سکتا جس حد کو مقننہ نے عوامی مفاد میں واضح طور پر وضع کیا ہو۔ لہذا، ایسے قوانین جو انفرادی حقوق اور آزادیوں کو محدود کرتے ہیں، خاص طور پر وہ بنیادی حقوق جو آئین میں ضمانت شدہ ہیں، اُن کو محدود تشریح[35] کے اصول کے تحت تعبیر کیا جانا چاہیے۔

35۔ قانون کی تشریح کے یہ اُصول ہمارے تجزیے اور انتخابات ایکٹ کی دفعہ (5) 215 کی تعبیر میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ بات بلا شبہ واضح ہے کہ دفعہ (5) 215 کسی سیاسی جماعت کی دفعہ 209 (جو کہ انٹرا پارٹی انتخابات سے متعلق ہے) یا دفعہ 210 (جو کہ جماعت کے فنڈز کے ذرائع سے متعلق ہے) کی شرائط پوری نہ کرنے پر کوئی تعزیری نتائج بر آمد کرتی ہے۔ انتخابی نشان کی عدم الاٹمنٹ کی مخصوص سزا، سیاسی جماعت کے بنیادی حق بطور سیاسی جماعت کے کام کرنے اور فعال رہنے کو محدود کرتی ہے، ایک ایسا حق جو آئین کے آرٹیکل (2) 17[36] کے تحت جماعت بنانے کے حق میں مضمر ہے۔ لہذا، دفعہ (5) 215 کی ہر صورت محدود تعبیر کی جانی چاہیے۔ انتخابی نشان کی عدم الاٹمنٹ سے آگے بڑھ کر کوئی مزید سزا یا نتیجہ دفعہ (5) 215 سے اخذ یا فرض نہیں کیا جا سکتا۔ مزید بر آں، اس دفعہ کے تحت انتخابی نشان کی عدم الاٹمنٹ کی بنیاد پر سیاسی جماعت کے کسی اور آئینی یا قانونی حق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دفعہ (5) 215 کی ایسی کوئی بھی تشریح جو مجوزہ سزا سے تجاوز کر کے مزید سزائیں عائد کرے تو وہ "قوانین کی محدود تشریح کے اصول" جو تعزیری نتائج مرتب کرتے ہیں یا بنیادی حقوق کو محدود کرتے ہیں، سے متصادم ہو گی۔ چنانچہ دفعہ (5) 215 کے تحت فراہم کی گئی سزا کا دائرہ کار اس کی واضح شرائط تک محدود رہنا چاہیے، تاکہ سیاسی جماعت کے کسی اور آئینی یا قانونی حق پر اثر نہ پڑے۔

سوال (i) کا جواب اور اُسکا پی ٹی آئی پر اطلاق:

36۔ مندرجہ بالا تشریح کے اصولوں کی روشنی میں، ہم سوال نمبر (i) کو ان الفاظ میں طے کرتے ہیں کہ انتخابات ایکٹ کے دفعہ (5) 215 کے تحت کسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دینے کا واحد نتیجہ یہ ہے کہ وہ جماعت سیکشن 209 کی انٹرا پارٹی انتخابات کے حوالے سے شرائط پوری نہ کرنے پر آئندہ انتخابات میں انتخابی نشان حاصل نہیں کر پائے گی—اس سے بڑھ کر اس کی کوئی اور تشریح نہیں کی جاسکتی۔ مزید بر آں، ایسی نااہلی کا اعلامیہ سیاسی جماعت کے دیگر آئینی اور قانونی حقوق پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔

37۔ پی ٹی آئی کے دیگر آئینی اور قانونی حقوق جو بطور ایک سیاسی جماعت سر گرمی کرنے اور فعال رہنے سے متعلق ہیں، وہ متاثر نہیں ہوئے، جب کمیشن کے 22 دسمبر 2023 کے حکم (جسے عدالت ہذا نے اپنے 13 جنوری 2024 کے حکم کے ذریعے بر قرار رکھا)، جس میں پی ٹی آئی کو انتخابات ایکٹ کی دفعہ (5) 215 کے تحت اُس کا انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دیا گیا تھا۔ احتراماً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس عدالت نے اپنے 13 جنوری 2024 کے حکم میں اس قانونی پوزیشن کی وضاحت کر دی ہوتی، یا کمیشن نے اپنے 22 دسمبر 2023 یا 13 جنوری 2024 کے حکم میں یہ وضاحت کر دی ہوتی، تو پی ٹی آئی کے امیدواروں کی حیثیت یا پی ٹی آئی کے مخصوص نشستوں پر اس کے حق کے بارے میں یہ تمام ابہام پیدا نہ ہوتا۔

---

[34] ایف۔بی۔ علی بنام ریاست PLD 1975 SC 506؛ بینظیر بھٹو بنام وفاق پاکستان PLD 1988 SC 416؛ غلام مصطفی جتوئی بنام ریٹرننگ افسر SCMR 1299 1994؛ وکلا محاذ بنام وفاق پاکستان PLD 1998 SC 1263 اور حمزہ راشد بنام الیکشن اپیلیٹ ٹربیونل SCP 66 2024 جج سید منصور علی شاہ کے مطابق۔

[35] Maxwell on the Interpretation of Statutes" (بارہویں ایڈیشن) صفحات 251-252 اور Bennion on Statutory Interpretation (ساتویں ایڈیشن) صفحات 718-719۔ (اگرچہ میکس ویل یہ بیان کرتا ہے کہ ایسے قوانین جو فرد کے حقوق پر اثر انداز ہوتے ہیں، انہیں سختی سے تشریح کے تابع ہونا چاہیے جیسے کہ تعزیراتی قوانین، ہم اس حد تک نہیں جاتے۔ ہماری عارضی رائے، جو کسی مناسب معاملے میں تفصیلی جائزے کے تابع ہے، یہ ہے کہ سزائیں صرف واضح قانون سازی کے ذریعے عائد کی جاسکتی ہیں، ضروری مضمرات کے ذریعے نہیں، لیکن شہری حقوق کو نہ صرف واضح قانون سازی کے ذریعے بلکہ لازمی مضمرات کے ذریعے بھی متاثر کیا جاسکتا ہے)۔

[36] بے نظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان PLD 1988 SC 416؛ بے نظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان PLD 1989 SC 66؛ اور نواز شریف بنام صدرِ پاکستان PLD 1993 SC 473۔

38۔ ہمیں کچھ شکوک ہیں جس کو محسوس کرتے ہوئے ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آیا کمیشن کو کسی سیاسی جماعت کی طرف سے سیکشن 209 کے تحت جمع کرائے گئے انٹرا پارٹی انتخابات کے سرٹیفکیٹ کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں، اور کیا کمیشن نے پی ٹی آئی کے معاملے میں سیکشن (5)215 کے تحت اپنے صوابدیدی اختیار کو انصاف، منصفانہ اور مناسب طریقے سے استعمال کیا اور خصوصاً جب انتخابی پروگرام پہلے ہی اعلان کیا جا چکا تھا اور شہریوں کا اپنے پسندیدہ سیاسی جماعت کے حق میں ووٹ دینے کا بنیادی حق داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اسی طرح، ہمیں کچھ تحفظات ہیں کہ کس طرح انٹرا پارٹی انتخابات کا معاملہ — جو کہ ایک جماعت کے داخلی نظم و نسق کا معاملہ ہے — شہریوں کے ووٹ دینے کے بنیادی حقوق اور سیاسی جماعتوں کے اپنے امیدواروں کے لیے مشترکہ نشان حاصل کر کے انتخابات میں مؤثر طریقے سے حصہ لینے اور مقابلہ کرنے کے حق کو پامال کر سکتا ہے، جو کہ آئین کے آرٹیکلز (2)17 اور 19 کے تحت ضمانت شدہ ہے۔ تاہم، چونکہ یہ سوالات اُس نظر ثانی درخواست میں زیرِ غور ہیں جو پی ٹی آئی نے عدالت ہذا کے 13 جنوری 2024 کے فیصلے کے خلاف دائر کی ہے، اس لیے ہم ان پر غور کرنے اور اپنا حتمی مؤقف دینے سے گریز کرتے ہیں۔ (جسٹس محمد علی مظہر، ہم میں سے ایک، اس پیراگراف میں کی گئی مشاہدات کو شامل نہیں کرنا چاہتے کیونکہ عدالت ہذا کے 13 جنوری 2024 کے فیصلے کے خلاف نظر ثانی درخواست زیرِ التوا ہے۔ وہ یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس پیراگراف میں کیا گیا تبصرہ کسی طرح بھی نظر ثانی درخواست کی سماعت پر اثر انداز ہونے کے ارادے سے نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ہو گا)۔

<u>الیکشن قواعد 2017 کا قاعدہ 94 میں دی گئی وضاحت الیکشن ایکٹ اور آئین کے خلاف ہے:</u>

39۔ اس سوال کے تحت بحث نامکمل ہو گی اگر انتخابات کے قواعد 2017 کے قاعدہ نمبر 94 میں دی گئی وضاحت کی قانونی حیثیت کا تعین نہ کیا جائے۔ یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ کمیشن نے انتخابات ایکٹ کے دفعہ 239 کا اختیار استعمال کرتے ہوئے انتخابی قواعد (الیکشن رولز) بنائے ہیں، جو کمیشن کو ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے قواعد بنانے کا اختیار دیتا ہے۔

40۔ رول نمبر 94[37] سیاسی جماعتوں کے لیے خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں میں متناسب نمائندگی کے حصے کی حساب کتاب، تقسیم اور نوٹیفکیشن جاری کرنے کا طریقہ کار فراہم کرتا ہے۔ اس کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ 'اس قاعدے کے غرض کے لیے، **"سیاسی جماعت"** کا مطلب ہے **وہ سیاسی جماعت جسے کمیشن کی طرف سے ایک انتخابی نشان تفویض کی گئی ہو۔**' سیاسی جماعت کی اس طرح سے تعریف کرنے سے ایک ایسی سیاسی جماعت کو جسے کمیشن کی طرف سے نشان تفویض نہیں کی گئی، وہ متناسب نمائندگی کے اصول کے تحت مخصوص نشستوں کے حصول سے خارج ہو جاتی ہے۔ سیاسی جماعت کے لیے کوئی ایسی خارجیت نہ تو آئین کی دفعات (e)(d)(6)51 اور (c)(3)106 میں فراہم کی گئی ہے اور نہ ہی انتخابی نشان کی عدم تخصیص کے بارے میں قانون انتخابات کے سیکشن (5)215 یا کسی اور شق میں ایسا کوئی نتیجہ فراہم کیا گیا ہے، جس طرح رول نمبر 94 کی وضاحت نے تخلیق کی ہے۔ درحقیقت، اس نے انتخابات ایکٹ کے سیکشن (5)215 کے تحت انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے سیاسی جماعت کو نااہل قرار دینے کا ایک اضافی تعزیراتی نتیجہ متعارف کرایا ہے اور اِس قاعدے نے آئین کے آرٹیکلز (e)(d)(6)51 اور 106 (C) (3) کے ذریعے فراہم کردہ ایک سیاسی جماعت کے اُن آئینی حق کی بھی خلاف ورزی کی ہے جس کے مطابق اُن کو خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں میں اپنے حاصل کردہ عام نشستوں کی بنیاد پر متناسب نمائندگی کا مناسب حصہ ملتا ہے۔ اس طرح واضح طور، یہ وضاحت، انتخابات ایکٹ اور آئین کی دفعات سے تجاوز کر گئی ہے اور ان کے خلاف ہے۔

---

[37] 94 کمیشن کی ہر سیاسی جماعت کی جیتے ہوئے نشستیں اعلان کرنے کی ذمہ داری۔—(1) کمیشن، سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں ہر سیاسی جماعت کی جیتے ہوئے مخصوص نشستوں کی کل تعداد کا اعلان کرے گا۔

(2) ہر سیاسی جماعت کا فیصدی حصہ قومی اسمبلی میں عمومی نشستوں کی کل تعداد کے حوالے سے نکالا جائے گا، یا، جیسا کہ صورت حال ہو، متعلقہ صوبائی اسمبلی میں۔

(3) نشستوں کی تعداد کا حساب کرتے وقت، سب سے بڑی کسر کو ایک نشست کے طور پر لیا جائے گا جب تک کہ متعلقہ اسمبلی میں مخصوص نشستوں کی کل تقسیم مکمل نہیں ہو جاتی۔

(4) غیر مسلموں اور خواتین کے لیے مخصوص نشستیں سیاسی جماعتوں کے فیصدی حصے کی بنیاد پر تقسیم کی جائیں گی جیسا کہ ذیلی قاعدہ (2) میں نکالا گیا ہے، اور پارٹی کی فہرست میں امیدواروں کے ناموں کی ترجیحی ترتیب کے مطابق: بشرطیکہ کسی سیاسی جماعت کی طرف سے پیش کردہ فہرست کو نامزدگی کے کاغذات جمع کرانے کی تاریخ کے گزر جانے کے بعد نہ تو ترجیحی ترتیب میں تبدیلی کی جا سکے اور نہ ہی نئے ناموں کا اضافہ یا پرانے ناموں کا حذف کیا جا سکے:

وضاحت۔—اس ضابطے کے مقصد کے لیے، "سیاسی جماعت" کا مطلب ہے وہ سیاسی جماعت جسے کمیشن کی طرف سے ایک علامت تفویض کی گئی ہو۔

41۔ یہ قانون کا ایک قائم کردہ اصول ہے کہ ایک ایکٹ ("بنیادی قانون") کے تحت تفویض کی گئی قواعد بنانے کے اختیار کے تحت بنائے گئے قواعد نہ تو بنیادی قانون کے دائرے کو بڑھا سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے تجاوز کر سکتے ہیں، اور نہ ہی وہ اُس کی دفعات کو نظر انداز یا ان کے ساتھ متصادم ہو سکتے ہیں۔ اگر قواعد بنیادی قانون کی دفعات کے خلاف یا ان کے ساتھ عدم مطابقت رکھتے ہیں تو یہ غیر قانونی (ultra vires) اور غیر موثر ہوں گے۔ قواعد بنانے کا اختیار اس لیے دیا جاتا ہے کہ بنیادی قانون کی دفعات پر عمل درآمد کیا جا سکے، نہ کہ انہیں غیر مؤثر یا اس کے متضاد بنایا جا سکے۔ قواعد کا اولین مقصد بنیادی قانون کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے طریقہ کار کی تفصیلات فراہم کرنا ہے۔ یہ قواعد بنیادی قانون کی اصل دفعات کے خلاف نہیں جا سکتے[38]۔ مزید یہ کہ، جس طرح بنیادی قانون کی کوئی شق، آئین کی کسی شق سے متصادم ہو تو وہ قانون، غیر آئینی اور غیر قانونی تصور ہوگی[39]، اسی طرح وہ قواعد بھی جو بنیادی قانون کے تحت بنے ہو، غیر آئینی اور غیر قانونی ہوتے ہیں اگر آئین کی کسی بھی شق سے متصادم ہو۔ جو چیز براہ راست بنیادی قانون میں بنیادی قانون سازی کے ذریعے نہیں کی جا سکتی، وہ قواعد میں تفویض کردہ قانون سازی کے ذریعے بالواسطہ بھی نہیں کی جا سکتی۔

42۔ مذکورہ بالا کی روشنی میں، الیکشن رولز کے رول 94 کی وضاحت، انتخابات ایکٹ اور آئین کے خلاف قرار دی جاتی ہے، لہٰذا یہ کالعدم اور غیر قانونی ہے کیونکہ یہ انتخابات ایکٹ کے سیکشن (5)215 کے دائرہ اختیار سے تجاوز ہے اور آئین کے ارٹیکلز (e) (d) (6)51 اور (c) (3) 106 کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی ہے۔

(ii) کیا کسی سیاسی جماعت کی طرف سے نامزد کردہ امیدوار، جو انتخابی نشان حاصل کرنے کا اہل نہ ہو، کو امیدواروں کی فہرست (فارم 33) میں بطور آزاد امیدوار ظاہر کیا جا سکتا ہے، اور کیا ایسے کامیاب امیدوار کو سیکشن 98 کی نوٹیفکیشن میں بطور آزاد کامیاب امیدوار بتایا جا سکتا ہے؟

43۔ اوپر دیے گئے سوال نمبر (i) کا جواب اس سوال کا جواب دینا آسان بنا دیتا ہے۔ یہاں واحد نکتہ جو تھوڑی بہت بحث کا متقاضی ہے وہ یہ کہ کیا کسی سیاسی جماعت کے پاس اپنے امیدواروں کو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ)، صوبائی اسمبلی یا مقامی حکومت کے انتخابات کے لیے نامزد کرنے کا آئینی اور/ یا قانونی حق ہے۔ خوش قسمتی سے، ہمیں اس نکتے پر زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس پر پہلے ہی تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے اور عدالت ہذا کے فل کورٹ بینچز کی جانب سے 1988 میں *Benazir Bhutto*[40] کے دو مقدمات میں مستند طور فیصلہ ہوا ہے۔ مختصراً ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ زیر غور نکتے پر وہاں جو فیصلہ کیا گیا ہے، ہم احتراماً اُس سے اتفاق کرتے ہیں بجائے اِس کے کہ اُن مقدمات سے اقتباسات لے کر فیصلہ ہذا مزید لمبا کیا جائے۔

سیاسی جماعت کے طور پر اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں مقابلہ کرنے کا حق آئین کے آرٹیکل (2)17 کے تحت ایک بنیادی حق ہے:

44۔ آئین کا آرٹیکل (2)17 سیاسی جماعت تشکیل دینے یا اس کا رکن بننے کا حق فراہم کرتا ہے۔ چونکہ سیاسی جماعت کی تشکیل میں اس کی تمام سرگرمیوں کا جاری رکھنا لازمی طور پر شامل ہے، اس لیے سیاسی جماعت کو تشکیل دینے کے حق میں اُس کے سرگرم رہنا اور فعال رہنا بھی شامل ہے۔ سیاسی جماعت کا سرگرم رہنا اس کی تشکیل میں مضمر ہے۔ اگر اُس کو سرگرمی کا حق نہ ہو تو سیاسی جماعت تشکیل دینے کا حق بے معنی اور بے فائدہ ہوگا۔ پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا اور کسی ایسے انتخابات میں امیدواروں کو نامزد کرنا یا پیش کرنا، سیاسی جماعت کی بنیادی سرگرمیاں (فعالیتیں) ہیں۔ سیاسی جماعت کو ان سرگرمیوں سے محروم کرنا اُس کے سیاسی وجود کو ختم کر دیتا ہے اور اُس کے سیاسی خاتمے اور عملی تحلیل کے مترادف ہے، جو آئین کے آرٹیکل (2)17 میں وضع کردہ طریقہ کار اور فراہم کردہ بنیادوں کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ انتخابات میں سیاسی جماعت کے طور پر شرکت کرنے اور مقابلہ کرنے کا حق، سیاسی جماعت تشکیل دینے یا اس کی رکنیت حاصل کرنے کے حق میں

---

[38] یونیورسل انشورنس کمپنی بنام موہن باشی PLD 1959 SC 296 ؛ مشرقی پاکستان بنام نور احمد PLD 1964 SC 451 ؛ ہر جنہ سالٹ کیمیکلز بنام یونین کونسل 1982 SCMR 522 ؛ ضیاء الدین بنام پنجاب لوکل گورنمنٹ 1985 SCMR 365 ؛ مطیوب علی بنام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج 1988 SCMR 747 ؛ چیئرمین ریلوے بورڈ بنام وحاب الدین اینڈ سنز PLD 1990 SC 1034 ؛ مہراج فلور ملز بنام صوبائی حکومت 2001 SCMR 1806 ؛ سیلز ٹیکس کے کلکٹر بنام سپیریئر ٹیکسٹائل ملز PLD 2001 SC 600 ؛ پاکستان بنام آریان پیٹرو کیمیکل انڈسٹریز SCMR 370 2003 ؛ احمد حسین بنام حکومت پنجاب 2005 SCMR 186 ؛ 2009 کا سوموٹو کیس نمبر 13، PLD 2011 SC 619 ؛ 2011 کا سوموٹو کیس نمبر 11، PLD 2014 SC 389 اور نیپرا بنام فیسکو 2016 SCMR 550۔

[39] مبین السلام بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2016 SC 602 ; مبشر حسن بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2010 SC 265 ; باز محمد کاکڑ بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2012SC 923 ; لال خان بنام کراؤن PLD 1955 Lah 215 اور شورش کشمیری بنام حکومت۔ مغربی پاکستان PLD 1969 Lah 438

[40] بینظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1988 SC 416 (فیصلہ 20 جون 1988) اور بینظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1989 SC 66 (فیصلہ 2 اکتوبر 1988)۔

شامل ہیں۔ اس لیے، انتخابی قانون کی کوئی بھی شق جو سیاسی جماعتوں کے انتخابات میں حصہ لینے کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتی، وہ آئین کے آرٹیکل 17(2) کے خلاف ہو گی۔

45۔ ***Nawaz Sharif*** **کیس**[41] میں نہ صرف آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت دیے گئے حق کی مذکورہ حدود کی توثیق کی گئی بلکہ اُسے مزید توسیع دی گئی، جو 1993 میں عدالت ہذا کی **فُل کورٹ** نے فیصلہ کیا۔ عدالت نے یہ قرار دیا کہ آرٹیکل 17(2) کے تحت ضمانت شدہ حق میں سیاسی پارٹی تشکیل دینے یا اس کا رکن ہونے کے علاوہ نہ صرف ایک سیاسی پارٹی کے طور پر انتخابات میں شرکت کرنا اور مقابلہ کرنے کا حق شامل ہے، جیسا کہ بے نظیر بھٹو کیسز میں طے کیا گیا، بلکہ یہ حق حکومت تشکیل دینے اور اگر سیاسی پارٹی درکار ارکان کی اکثریت رکھتی ہو، تو مقررہ مدتِ حکومت پوری کرنے کا بھی حق شامل ہے۔

46۔ ہم اس عدالت کی مذکورہ بالا تین فیصلوں سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں کہ ایک سیاسی پارٹی کے نامزد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں شرکت اور مقابلہ کرنے کا حق آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت ایک بنیادی حق ہے۔ انتخابی ایکٹ کے مختلف دفعات، بشمول دفعات 66 اور 67، صرف اس حق کو نافذ کرنے کے لیے ایک طریقہ کار کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ یہ حق انتخابات ایکٹ کے کسی بھی دفعہ، بشمول سیکشن 215(5)، کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی سیاسی جماعت کو اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں حصہ لینے اور مقابلہ کرنے سے محروم کرنا، جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے، اس جماعت کی سیاسی وجود کو ختم کر دیتا ہے اور یہ اس کی سیاسی خاتمے اور عملی تحلیل کے مترادف ہے، جو آئین کے آرٹیکل 17(2) میں وضع کردہ طریقہ کار اور اس میں فراہم کردہ بنیادوں کے سوا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کی صورتحال اس وقت بھی ہو گی جب کسی سیاسی جماعت کے نامزد امیدواروں کو اس جماعت کے امیدوار ہونے کا درجہ نہ دیا جائے اور انہیں امیدواروں کی فہرست (فارم-33) میں آزاد امیدوار کے طور پر ظاہر کیا جائے، یا ایسے کامیاب امیدواروں کو سیکشن 98 کے اعلامیہ میں آزاد امیدواروں کے طور پر نوٹیفائی کیا جائے۔ ریٹرننگ افسران اور کمیشن کی یہ کارروائیاں بھی آئین کے آرٹیکل 17(2) کے خلاف ہوں گی، کیونکہ یہ مؤثر طریقے سے پارٹی کے انتخابات میں شرکت اور مقابلہ کرنے کے حق کی نفی کرتی ہیں۔

<u>سلمان اکرم راجہ (پی ٹی آئی کے امیدوار) کی درخواست پر جاری کیا گیا کمیشن کا حکم 2 فروری 2024، غیر آئینی اور غیر قانونی تھا۔</u>

47۔ چونکہ کمیشن کا حکم مورخہ 2 فروری 2024، جو کہ پی ٹی آئی کے امیدوار جناب سلمان اکرم راجہ ("جناب راجہ") کی درخواست پر دیا گیا، زیر بحث سوال نمبر (ii) سے متعلق ہے، اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حکم کی قانونی حیثیت کا جائزہ لیں، تاکہ معاملے کی جامع تفہیم کو یقینی بنایا جا سکے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، جب ریٹرننگ افسران نے الیکشن لڑنے والے امیدواروں کی فہرستیں (فارم-33) شائع کیے، تو اِن میں پی ٹی آئی کے امیدواروں کو آزاد امیدواروں کے طور پر ذکر کیا گیا۔ ایسے ہی امیدواروں میں سے ایک اُمیدوار جناب راجہ نے کمیشن کے سامنے اس فہرست میں اس اندراج کو چیلنج کیا۔ تاہم، کمیشن نے اپنے حکم مورخہ 2 فروری 2024 میں اُن کا اعتراض مسترد کرتے ہوئے انہیں آزاد امیدوار قرار دیا۔ اور اپنے حکم میں، کمیشن نے یہ وجہ پیش کی:

> " اس کے باوجود کہ درخواست گزار کا پی ٹی آئی سے تعلق اور مبینہ طور پر پارٹی ٹکٹ کے ساتھ ساتھ درخواست گزار کے نامزدگی کاغذات میں پارٹی وابستگی کے اندراجات موجود ہیں، اُسے پی ٹی آئی کا نامزد امیدوار نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی اُس کی پارٹی (پی ٹی آئی) کو فارم 33 کے کالم 5 میں پارٹی کے نشان کی غیر موجودگی میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔
>
> ----
>
> درخواست گزار کو آزاد امیدواروں کے لیے دستیاب چارٹ سے انتخابی نشان الاٹ کیا گیا ہے کیونکہ وہ پارٹی جس سے اس کا دعویٰ ہے کہ اُس کا تعلق ہے، کمیشن کی جانب سے اُسے انتخابی نشان الاٹ نہیں کیا گیا۔ فارم-33 کے کالم 5 میں پارٹی نشان کی غیر موجودگی میں کوئی اندراج کرنا اور درخواست گزار کے نام کو پی ٹی آئی کے امیدوار کے طور پر درج کرنا، نشان اور پارٹی کی شناخت کے منافی ہو گا کیونکہ درخواست گزار کو ایک آزاد امیدوار قرار دیا گیا ہے۔"

[41] نواز شریف بنام صدر پاکستان PLD 1993 SC 473.

اپنے فیصلے کی مزید حمایت کے لیے، کمیشن نے عدالت ہذا کے 13 جنوری 2024 کے حکم میں درج ذیل مشاہدے پر بھی انحصار کیا ہے:

"حیرت کی بات ہے کہ نہ تو یہ اعلامیہ طلب کیا گیا اور نہ ہی دیا گیا کہ پی ٹی آئی میں انٹرا پارٹی انتخابات منعقد ہوئے، اور یہ تو دور کی بات ہے کہ وہ قانون کے مطابق منعقد ہوئے ہوں۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ انتخابات منعقد ہوئے تھے تو الیکشن کمیشن کو یہ جواز پیش کرنا پڑتا کہ آیا کسی قانونی فائدے کو ایسی سیاسی جماعت سے روکا جا رہا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر انٹرا پارٹی انتخابات منعقد نہ ہوئے ہوں، تو انتخابات کے انعقاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

کمیشن کے حکم سے ماخوذ اقتباسات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کمیشن نے جناب راجہ کا دعویٰ بنیادی طور پر اس وجہ سے مسترد کیا کیونکہ انہیں آزاد امیدواروں کے لیے مخصوص انتخابی نشانات کے چارٹ سے ایک نشان الاٹ کیا گیا تھا، اور جس پارٹی (پی ٹی آئی) کے امیدوار کے طور پر وہ فارم 33 میں ذکر کرانا چاہتے تھے، اُس کو کوئی انتخابی نشان الاٹ نہیں کیا گیا تھا۔ کمیشن کی جانب سے عدالت ہذا کے دیے گئے تبصرے پر انحصار اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کمیشن نے سیاسی جماعت کی انتخابات کے لیے امیدوار نامزد کرنے کی صلاحیت کو انٹرا پارٹی انتخابات کے انعقاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد میں سے ایک سمجھا۔

48۔ PTI کے امیدواروں کو فارم-33 میں آزاد امیدوار کے طور پر ذکر کرنے والے کمیشن کے حکم اور ریٹرننگ افسران کے اس عمل کے دفاع میں کمیشن کے وکیل نے انتخابات کے ایکٹ کی دفعہ 67 کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ اُن کے مطابق، دفعہ 67[42] امیدواروں کو نشانات کی تقسیم کے لیے دو اقسام میں تقسیم کرتی ہے (i) وہ امیدوار جو کسی سیاسی جماعت کی جانب سے نامزد کیے گئے ہیں اور جس کو کمیشن نے باب بارہ کے تحت نشان دیا ہو، جو دفعہ 67 کی ذیلی دفعہ (2) کے تحت پارٹی نشان حاصل کرتے ہیں، اور (ii) وہ امیدوار جو کسی سیاسی جماعت کی جانب سے نامزد نہیں کیے گئے، جنہیں آزاد امیدوار سمجھا جاتا ہے اور انہیں کسی سیاسی جماعت کو دی گئی نشان کے علاوہ ایک نشان دیا جاتا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ دفعہ 67 کسی تیسری قسم کے امیدواروں کو تسلیم نہیں کرتی، جیسے وہ امیدوار جو کسی سیاسی جماعت (جیسا کہ PTI) کی جانب سے نامزد کیے گئے ہوں اور جس کو کمیشن نے انتخابات کے ایکٹ کے باب بارہ کے تحت نشان نہیں دیا ہو۔

49۔ ہم نے اُن کے دلائل پر غور و فکر کیا۔ ہم یہاں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اُن کی توجہ سیکشن 67 کی ذیلی شق (2) کے صریح الفاظ پر مرکوز رہی، جبکہ اُنہوں نے اِس کی لازمی استنباط کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ لازمی استنباط اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم سیکشن 67 کی ذیلی شق (2) میں دیے گئے بیان کو الٹ دیتے ہیں۔ یہ ذیلی شق کہتی ہے کہ "کسی بھی حلقہ میں کسی انتخاب کے موقع پر کسی سیاسی جماعت کے نامزد کردہ امیدوار کو کمیشن کی طرف سے باب بارہ کی دفعات کے تحت اُس سیاسی جماعت کو الاٹ کیا گیا نشان دیا جائے گا بلکہ کوئی دوسرا نشان نہیں"۔ چونکہ دفعہ 67 کی ذیلی دفعہ (3) کے تحت امیدواروں کو کوئی دوسری نشان الاٹ کی گئی ہے، اس لیے کسی سیاسی جماعت جسے کمیشن کی جانب سے کوئی نشان نہیں دی گئی، (جیسے کہ پی ٹی آئی) کا نامزد امیدوار، تو اُس کو اِس ذیلی دفعہ کے تحت اُن نشانات میں سے ایک نشان الاٹ کی جائے گی جو کسی دیگر سیاسی جماعت کو نہیں دی گئی۔ تاہم، ذیلی دفعہ (3) کے تحت نشان کی الاٹمنٹ، سیاسی جماعت کے نامزد امیدوار کی حیثیت کو تبدیل نہیں کرتا، بلکہ اس کا تعین دفعہ 66 کے تحت جاری کردہ اعلامیہ اور امیدوار کے حق میں جاری کردہ جماعتی سند (پارٹی ٹکٹ) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

---

[42] 67 **انتخابات اور نشانات کی الاٹمنٹ**-(1) اگر کسی بھی واپس لینے کے بعد حلقے میں ایک سے زیادہ امیدوار موجود ہوں، تو ریٹرننگ افسر کمیشن کی ہدایت کے تابع، ہر ایک امیدوار کو ایک مقررہ نشان الاٹ کرے گا۔

(2) کسی حلقے کے انتخاب میں کسی سیاسی جماعت کی جانب سے نامزد کیا گیا امیدوار اس سیاسی جماعت کو چیپٹر XII کی دفعات کے تحت کمیشن کی جانب سے الاٹ کیا گیا نشان حاصل کرے گا اور کوئی اور نشان نہیں دیا جائے گا۔

(3) کسی بھی سیاسی جماعت کی جانب سے نامزد نہ کیے گئے امیدوار (جسے آئندہ "آزاد امیدوار" کہا جائے گا) ان نشانات میں سے ایک منتخب کرے گا جو کسی بھی سیاسی جماعت کو الاٹ نہیں کیے گئے ہیں، مندرجہ ذیل طریقے کے مطابق—

(a) جہاں ایک نشان صرف ایک آزاد امیدوار نے منتخب کیا ہو، وہ نشان اس امیدوار کو دیا جائے گا اور کسی اور کو نہیں؛

(b) اگر ایک نشان ایک سے زیادہ آزاد امیدواروں نے منتخب کیا ہو اور ان میں سے ایک پہلے سے قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا رکن رہا ہو، تو وہ نشان اس سابقہ رکن کو الاٹ کیا جائے گا؛ اور

(c) اگر ایک سے زیادہ آزاد امیدواروں نے ایک ہی نشان کو ترجیح دی ہو، تو اس نشان کو قرعہ اندازی کے ذریعے الاٹ کیا جائے گا۔

(4) کوئی نشان کسی بھی امیدوار کو الاٹ نہیں کیا جائے گا سوا ان نشانات کے جو مقرر شدہ ہیں۔

(5) ہر حلقے میں جہاں الیکشن میں مقابلہ ہو، ہر امیدوار کو الگ نشان الاٹ کیا جائے گا۔

50۔ اگر کمیشن کے فاضل وکیل کی جانب سے دفعہ 67 کی ذیلی دفعات (2) اور (3) کی تجویز کردہ تشریح کو قبول کر لیا جائے تو یہ آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت دیے گئے بنیادی حق کو ختم کر دے گی جس کے مطابق ایک سیاسی جماعت اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں شرکت اور مقابلہ کرتی ہے۔ جیسا کہ اوپر قرار دیا گیا کہ انتخابات کے قانون کی مختلف دفعات، بشمول دفعات 66 اور 67، اس بنیادی حق کو مؤثر بنانے کے لیے محض طریقہ کار کی دفعات کے طور پر کام کرتی ہیں، جنہیں الیکشن ایکٹ کی کسی بھی دفعہ، بشمول دفعہ 215(5)، کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

51۔ مندرجہ بالا کے پیش نظر، ہم کمیشن کے 2 فروری 2024 کے حکم اور ریٹرننگ افسران کے PTI کے امیدواروں کو فارم-33 میں آزاد امیدواروں کے طور پر ذکر کرنے کے عمل کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیتے ہیں۔ یہ وضاحت کرنا بھی مناسب ہوگا کہ کمیشن کی طرف سے عدالت ہذا کے 13 جنوری 2024 کے حکم کے پیراگراف 11[43] میں کیے گئے تبصرے پر انحصار غلط فہمی پر مبنی اور بے محل تھا، کیونکہ یہ تبصرہ سیکشن 215(5) سے متعلق تھا اور انتخابات کے ایکٹ کے سیکشن 66 اور 67 سے متعلق نہیں تھا۔

قوانین کی "تشریح" اور "تعبیر" میں فرق:

52۔ اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اوپر بیان کردہ قانونی حیثیت کے تعین اور اس کے نتیجے پر کیسے پہنچے، باوجود اس کے کہ دفعہ 67 کے ذیلی دفعات (2) اور (3) میں واضح طور پر ایسا کچھ نہیں درج جس طرح کہ کمیشن کے وکیل نے اس حوالے سے موقف اپنایا۔ ہم "تشریح" اور "تعبیر" میں ایک لطیف فرق کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ "اصلاً تعبیر اور تشریح ایک جیسی نہیں ہیں حالانکہ دونوں اصطلاحات اکثر ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، جیسا کہ **Crawford** نے لکھا اور عدالت ہذا نے ***Haider Zaidi***[44] کیس میں بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ تاہم تکنیکی طور پر درست یہ ہوگا کہ **تعبیر** دراصل متن میں موجود واضح دیئے گئے عناصر سے اُن موضوعات کا نتیجہ نکالنا ہے جو متن کے براہ راست الفاظ سے باہر ہوں جبکہ **تشریح** وہ عمل ہے جس میں استعمال شدہ زبان کا اصل مفہوم دریافت کیا جاتا ہو۔۔۔ اس بات کا تعین کہ کونسا طریقہ استعمال ہوگا، پیش نظر مسئلہ کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، دونوں طریقے کسی قانون میں مقننہ کے ارادے کو تلاش کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اگر تشریح کرنے کے بعد بھی مقننہ کا ارادہ واضح نہیں ہوتا، تو عدالت اس کا تعین تعبیر کے طریقے سے کرے گی"[45]۔ لہذا ہم نے **انتخابات کے ایکٹ** کی دفعات 66، 67 اور 215(5) کے "متن میں موجود واضح عناصر" سے تعبیر کے ذریعے لازمی مضمرات کے طور پر اوپر بیان کردہ نتیجہ نکالا ہے۔

53۔ تاہم یہ وضاحت کی جا سکتی ہے، جیسا کہ **Crawford** نے بھی کی ہے، کہ چونکہ زیادہ تر عملی مقاصد کے لیے مقننہ کا ارادہ جاننے کے لیے **تشریح یا تعبیر** کا استعمال کیا جاتا ہے، لہذا ان دونوں طریقوں کے درمیان تفریق عدالتوں کے حوالے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور عموماً اس طرح کے موضوعات علمی بحث کے لیے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ **Crawford** نے اصرار کیا اور ہم بھی زیر بحث مقصد کے لیے یہی سمجھتے ہیں، " کہ مقننہ کے ارادے کو معلوم کرنے کے عمل کو دو حصوں میں تقسیم کر کے، جن کی نوعیت اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ آیا عدالت دراصل قانونی دستاویز کی تشریح کرتی ہے یا اس کی تعبیر کرتی ہے، اس بات کا مقصد یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ عدالتیں مقننہ کا ارادہ جاننے کے لئے عدالتی عمل کو کیسے انجام دیتی ہیں"[46]۔

سوال نمبر (ii) کا جواب اور پی ٹی آئی پر اس کا اطلاق:

---

[43] **یہ عدالت کا حکم مورخہ 13 جنوری، مکمل پیرا 11:** "11۔ نہ تو لاہور ہائی کورٹ کے سامنے اور نہ ہی پشاور ہائی کورٹ کے سامنے اس ایکٹ کی کسی شق، بشمول سیکشن 215(5)، کو چیلنج کیا گیا۔ معزز جج کی جانب سے یہ کہنا کہ قانون کی شق غیر معقول تھی، غیر ضروری تھا، خاص طور پر جب ایکٹ کی کسی شق کو غیر آئینی قرار نہیں دیا گیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ کوئی اعلامیہ طلب نہیں کیا گیا اور نہ ہی دیا گیا کہ تحریک انصاف میں انٹرا پارٹی انتخابات منعقد ہوئے تھے، جبکہ یہ بات تو چھوڑیں کہ وہ انتخابات قانون کے مطابق منعقد ہوئے تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ انتخابات منعقد ہوئے تھے تو الیکشن کمیشن کو یہ ثابت کرنا پڑتا کہ کسی سیاسی جماعت کو کوئی قانونی فائدہ روکا جا رہا ہے، لیکن اگر انٹرا پارٹی انتخابات منعقد نہیں ہوئے تھے تو انتخابات کے انعقاد سے ملنے والے فوائد کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

[44] حیدر زیدی بنام عبدالحفیظ 1991 SCMR 1699

[45] Crawford, The Construction of Statutes, (1st ed.) pp. 240–242.

[46] ایضاً

54۔ مندرجہ بالا کے پیشِ نظر، ہم سوال نمبر (ii) کا جواب درج ذیل دیتے ہیں: باوجود اس کے کہ کسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان حاصل کرنے کے لیے نااہل قرار دیا گیا ہو، اُس کے نامزد امیدواروں کو انتخاب لڑنے والے امیدواروں کی فہرست (فارم 33) میں آزاد امیدواروں کے طور پر درج نہیں کیا جا سکتا، چاہے انہیں انتخابات ایکٹ کی دفعہ 67(3) کے تحت مختلف انتخابی نشان الاٹ کیے گئے ہوں، اور نہ ہی انہیں دفعہ 98 کے نوٹیفکیشن میں آزاد منتخب امیدواروں کے طور پر نوٹیفائی کیا جا سکتا ہے۔

55۔ لہٰذا، تحریک انصاف کے نامزد امیدواروں کو ریٹرننگ افسران کی جانب سے انتخاب لڑنے والے امیدواروں کی فہرست (فارم 33) میں غلط طور پر آزاد امیدوار ظاہر کیا گیا ہے، اور کمیشن نے انہیں دفعہ 98 کے نوٹیفکیشن میں بھی غلط طور پر آزاد منتخب امیدواروں کے طور پر نوٹیفائی کیا ہے۔

جناب گوہر علی خان کی طرف سے بطور چیئرمین پی ٹی آئی کے جاری کردہ پارٹی ٹکٹوں کی قانونی حیثیت:

56۔ اس فیصلے کے اس حصے سے نمٹنے سے قبل، ضروری ہے کہ کمیشن کی جانب سے 2 فروری 2024 کو جاری کردہ حکم میں جناب راجہ کے دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے بیان کردہ ایک ضمنی نکتے پر توجہ دی جائے۔ کمیشن نے یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ گوہر علی خان کی پی ٹی آئی کے چیئرمین کے طور پر انتخاب کو کمیشن نے قبول نہیں کیا، لہٰذا وہ جناب راجہ کو پارٹی ٹکٹ جاری نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے مطابق کمیشن اس ادراک میں ناکام رہا کہ پی ٹی آئی کے انٹرا پارٹی انتخابات کے حوالے سے اُس کا حکم مورخہ 22 دسمبر 2023 دراصل مورخہ 26 دسمبر 2023 (جب پشاور ہائی کورٹ نے کمیشن کے حکم کو معطل کیا) سے 13 جنوری 2024 (جب اس عدالت نے کمیشن کے حکم کی بحالی کی) تک نافذ العمل نہیں تھا۔ اس دوران گوہر علی خان پی ٹی آئی کے چیئرمین کے عہدے پر فائز تھے اور لہٰذا انہوں نے جناب راجہ سمیت پی ٹی آئی کے دیگر امیدواروں کو قانونی طور پر پارٹی ٹکٹ جاری کیے تھے۔

57۔ ہم یہاں یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ انتخابات کے قانون کے سیکشن 209 کے تحت انٹرا پارٹی انتخابات کی شرائط کی پابندی نہ کرنے کے باوجود، ایک سیاسی جماعت ایک رجسٹرڈ سیاسی جماعت ہی رہتی ہے، جو اپنی تشکیل کے مقاصد کے لیے مکمل طور پر فعال ہوتی ہے، یعنی "سیاسی رائے کی ترویج یا اثر انداز ہونا اور کسی منتخب عوامی عہدے یا قانون ساز ادارے، بشمول اسمبلی، سینیٹ یا مقامی حکومت کے لیے انتخابات میں شرکت کرنا۔"[47] انتخابات کے قانون کی مذکورہ بالا شرائط کی عدم تعمیل کا واحد نتیجہ یہ ہے کہ ایسی سیاسی جماعت کو انتخابی نشان نہیں دیا جائے گا۔ یہ بالکل غیر منطقی ہوگا کہ ایک سیاسی جماعت، جو ایک قانونی شخص ہے، مکمل طور پر فعال ہے، لیکن اس کے کام کرنے اور معاملات چلانے کے لیے کوئی قدرتی شخص موجود نہیں ہے، چاہے وہ حقیقی (de facto) ہو یا قانونی (de jure)۔ ہم سب جانتے ہیں کہ قانونی شخصیات قدرتی افراد کے ذریعے عمل کرتی ہیں۔ ایک رجسٹرڈ سیاسی جماعت ایک قانونی شخص ہے، اور دیگر قانونی شخصیات کی طرح، یہ قدرتی افراد کے ذریعے اعمال سرانجام دیتی ہے۔ یہ کہنا کہ ایک سیاسی جماعت ایک رجسٹرڈ سیاسی جماعت ہے، جو اپنی تشکیل کے مقاصد کے لیے مکمل طور پر فعال ہے، لیکن کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کے معاملات انجام دے سکے اور ان کو چلائے، یہ بیک وقت دو متضاد باتیں کہنے کے مترادف ہے مطلب ایک ہی حقیقت کو تسلیم کرنا اور مسترد کرنا۔ لہٰذا انٹرا پارٹی انتخابات کے بعد (جو بعد میں کمیشن نے قبول نہیں کیے)، مسٹر گوہر علی خان نے بطور چیئرمین کم از کم حقیقی طور پر (de facto) پی ٹی آئی کے کاموں اور معاملات کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ نتیجتاً اُس نے پی ٹی آئی کی جانب سے 13 جنوری 2024 کے حکم سے پہلے، جب عدالت ہذا نے کمیشن کے 22 دسمبر 2023 کے حکم کو بحال کیا جس میں اُن کے انٹرا پارٹی انتخابات کو قبول نہیں کیا گیا تھا، کیے گئے اقدامات مکمل طور پر درست اور مؤثر تھے۔

58۔ یہ مزید واضح کیا جاتا ہے کہ جب کسی سیاسی جماعت کے عہدے دار انتخابات کے ایکٹ کے سیکشن 208 کے تحت، جماعت کے آئین کے مطابق منتخب کیے جاتے ہیں، اور اس کا ایک سرٹیفکیٹ سیکشن 209 کے تحت کمیشن کو پیش کیا جاتا ہے، تو نئے منتخب شدہ عہدے دار حقیقی طور پر (De facto) جماعت کے امور کی انجام دہی کو سنبھال لیتے ہیں جب تک کہ کمیشن انتخابات کو قبول یا مسترد نہ کرے۔ اور قبولیت کی صورت میں وہ جماعت کے اُمور قانوناً (De Jure) بھی سنبھال لیتے ہیں۔ اگر انٹرا پارٹی انتخابات مسترد کر دیے جائیں تو پچھلے عہدے دار بحال ہو جاتے ہیں، کیونکہ کوئی سیاسی جماعت بغیر عہدہ داران (De facto or De Jure) کے اپنی

[47] دی الیکشن ایکٹ، سیکشن 2(xxviii)۔

سرگرمیاں انجام نہیں دے سکتی۔ اس سلسلے میں، 14 ستمبر 2024 کی وضاحت، جو ہم نے کمیشن کی درخواست پر جاری کی تھی، اس فیصلے کا حصہ سمجھا جائے گا اور ریکارڈ کی تکمیل کے لیے ذیل میں نقل کی گئی ہے:

سی ایم اے 7540 / 2024 کے ذریعے، اور مختصر حکم نامہ مورخہ 12.07.2024 کے پیرا 10 کے مطابق، جس میں یہ اپیلیں اکثریت سے فیصلہ کی گئیں ("مختصر حکم نامہ")، الیکشن کمیشن آف پاکستان ("کمیشن") اس نکتے پر رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ "پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے ایک درست تنظیمی ڈھانچے کی عدم موجودگی میں، پی ٹی آئی کی جانب سے کامیاب امیدواروں (ایم این ایز اور ایم پی ایز) کی سیاسی وابستگی کی تصدیق کون کرے گا، جنھوں نے سپریم کورٹ کے حکم (مورخہ 12 جولائی 2024) کی روشنی میں اپنے بیانات جمع کرائے ہیں۔" ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مختصر حکم نامے کی ایک کاپی کے علاوہ درخواست ہذا میں کوئی دیگر دستاویزات شامل نہیں ہیں۔

2۔ مندرجہ بالا درخواست کے جواب میں، پی ٹی آئی نے سی ایم اے 8139 / 2024 دائر کی ہے، جس کے ساتھ کئی دستاویزات منسلک کی گئی ہیں، جن میں پی ٹی آئی اور کمیشن کے درمیان خط وکتابت شامل ہے۔ ہم نے وہ مواد غور سے دیکھا ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

3۔ خلاصے کے طور پر، مختصر حکم کے پیراگراف 4 اور 5 میں واضح طور پر قرار دیا گیا ہے کہ انتخابی نشان کی عدم موجودگی یا انکار کسی بھی طرح سے کسی سیاسی جماعت کے آئینی اور قانونی حقوق کو متاثر نہیں کرتا کہ وہ انتخابات (چاہے عام ہو یا ضمنی) میں حصہ لے سکے اور امیدوار کھڑے کر سکے، اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 51 کی شق (6) کے پیراگراف (d) اور (e) اور آرٹیکل 106 کی شق (3) کے پیراگراف (c) کے مفہوم کے مطابق، پی ٹی آئی ایک سیاسی جماعت تھی اور ہے، جس نے عام انتخابات 2024 میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں عمومی نشستوں کو حاصل کیا یا جیتا جیسا کہ اُس حکم میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ پیراگراف، اور مختصر حکم کا پیراگراف نمبر 3، آئینی طور پر ایک جیسے ہیں اور دونوں متعلقہ آئینی دفعات کی درست تشریح اور ادراک ہیں۔ مختصر حکم کے دیگر پیراگراف، خاص طور پر پیراگراف 8 اور 10، امیں جو کچھ قرار دیا گیا ہے وہ دراصل آئین کے خلاصہ سے نہ صرف ثابت ہوتا ہے بلکہ اُس کو تقویت دیتا ہے۔ ان تمام نکات کی وضاحت اکثریتی فیصلہ (یعنی مختصر حکم) کے تفصیلی وجوہات میں کی جائے گی اور یہ اکثریتی فیصلہ ایک واجب العمل فیصلہ ہے۔

4۔ اب اُس وضاحت کا جواب دیتے ہیں جو مانگی گئی ہے۔ پی ٹی آئی نے اپنے جواب کے ساتھ متعدد نوٹسز منسلک کیے تھے جو کمیشن نے بیرسٹر گوہر علی خان کے ذریعے پی ٹی آئی کو بھجوائے جن میں کمیشن نے خود بیرسٹر گوہر علی خان کو پی ٹی آئی کا چیئرمین مانا ہے۔ مزید برآں قومی اسمبلی اور سندھ، پنجاب اور خیبر پختونخواہ کی صوبائی اسمبلیوں میں کامیاب امیدواروں (جواب بالترتیب ایم این اے اور ایم پی اے ہیں) سے متعلق جو ریکارڈ ہمارے سامنے رکھا گیا اُس سے پتہ چلتا ہے کہ مختصر فیصلے کے پیرا 8 اور 10 کے مطابق تصدیق نامے جو ایک سیاسی جماعت (یہاں مراد پی ٹی آئی) نے جاری کرنے تھے اور اُن کو کمیشن میں جمع کرانا تھا، وہ بیرسٹر گوہر علی خان اور محمد عمر ایوب خان، کے دستخطوں سے جاری کردہ ہیں جنہیں وہاں بالترتیب پی ٹی آئی کا چیئرمین اور سیکرٹری جنرل قرار دیا گیا ہے۔ یہ تصدیق نامے 18.07.2024، 24.07.2024 اور 25.07.2024 تاریخوں کے ہیں اور ان میں متعلقہ منتخب امیدواروں (جو اب ایم این اے یا ایم پی اے ہیں) کی تفصیلات اور خاص طور پر وہ تاریخیں درج ہیں جن پر امیدواروں کی جانب سے مطلوبہ اقرار نامہ جات (مختصر حکم کے پیراگراف 8 اور 10 کے مطابق) کمیشن کے پاس جمع کروائے گئے تھے۔ یہ تاریخیں واضح طور پر تصدیقی عمل کی متعلقہ تاریخوں سے پہلے کی ہیں۔

5۔ ہمارے سامنے پیش کیے گئے ریکارڈ کا جائزہ لینے اور اسے مختصر حکم کے تناظر میں دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہے کہ کمیشن کی جانب سے CMA 7540/2024 کے تحت طلب کی گئی وضاحت محض بناوٹی اور تاخیری حربے ہیں تا کہ عدالت کے فیصلے پر عمل درآمد میں تاخیر، رکاوٹ یا اس کی تکمیل کو روکا جا سکے۔ جو کسی صورت برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ قانون کے بنیادی اصولوں کے تناظر میں کمیشن کی جانب سے دائر کردہ درخواست غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بیرسٹر گوہر علی خان کو خود سے پی ٹی آئی کا چیئرمین تسلیم کرنے کے بعد، کمیشن اب گھوم پھر کے عدالت سے یہ رہنمائی طلب نہیں کر سکتا کہ تصدیق ناموں کے ساتھ کیسے نمٹا جائے۔ کمیشن ایک وقت میں کسی بات کو قبول اور دوسرے وقت میں مسترد نہیں کر سکتا، یعنی اپنی خواہش کے مطابق اور وقتی ضروریات کے مطابق موقف بدلتا رہے۔ مزید یہ کہ کمیشن، اگرچہ درخواست کو انتہائی ہمدردانہ نظر سے بھی دیکھا جائے، تو بظاہر معروف "ڈی فیکٹو" اصول یا نظریہ کو نظر انداز کر چکا ہے، جس کے مطابق کسی عہدے پر فائز شخص کے اعمال کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، چاہے اس کی قانونی حیثیت (De Jure) (اور یہاں پی ٹی آئی کے حوالے سے کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالا جا رہا) میں کوئی مسئلہ بھی ہو۔ کمیشن کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ اپنی آئینی ذمہ داری کے پیش نظر اس تسلیم شدہ حقیقت کو ذہن میں رکھتے (جیسا کہ اپیلوں کی سماعت کے دوران عدالت کے سامنے بیان کیا گیا) کہ پی ٹی آئی ایک رجسٹرڈ سیاسی جماعت تھی اور ہے۔ اس حقیقت کو نہ صرف ہم (آٹھ ججوں) نے قبول کیا اور اس پر انحصار کیا بلکہ ہمارے تین اقلیت میں فاصل ساتھیوں (معزز چیف جسٹس، جسٹس یحییٰ آفریدی اور جسٹس جمال خان مندوخیل) نے بھی قبول اور اس پر

انحصار کیا۔ اُن معزز ججز صاحبان نے بظاہر بیرسٹر گوہر علی خان کی جانب سے جاری کردہ پارٹی اسناد (پارٹی ٹکٹ) کی درستگی کو بھی تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح اُسکی بطور چیئرمین، پی ٹی آئی کے لیے کام کرنے کی صلاحیت کو مان لیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ، کمیشن نے خود بیرسٹر گوہر علی خان کو پی ٹی آئی کے چیئرمین کی حیثیت سے نوٹس جاری کیے، جس کے ذریعے پارٹی اور عہدے دار دونوں کو تسلیم کیا۔ یہ مختصر حکم کے مقاصد کے لیے کافی تھا۔ یہ مکمل طور پر غیر منطقی ہوگا کہ اگر فرض کیا جائے کہ ایک سیاسی جماعت بطور ایک قانونی شخص پوری طرح فعال ہوگا، جبکہ اس کے معاملات چلانے کیلئے کوئی بھی فطری شخص موجود نہ ہو، چاہے حقیقی (De Facto) یا قانونی (De Jure) حیثیت میں۔ یہ کہنا (جیسا کہ کمیشن اب CMA 7540/2024 کے ذریعے مؤثر طور پر کر رہا ہے) کہ ایک سیاسی جماعت جو کہ رجسٹرڈ ہے اور تشکیل کے مقاصد کے لیے مکمل طور پر فعال ہے، لیکن کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو اس کے افعال انجام دے یا اس کے معاملات چلائے، یہ ایک ہی وقت میں دو متضاد باتیں کہنے کے مترادف ہے، یا یوں کہا جائے کہ ایک ہی حقیقت کو کبھی تسلیم کرنا اور کبھی رد کرنا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ مذکورہ بالا اسناد (اقرار نامہ جات اور تصدیق نامے)، مختصر حکم کے مطابق درست اور جائز تھیں، اور کمیشن کی جانب سے انہیں قبول کرنے سے مسلسل انکار آئینی اور قانونی طور پر غلط ہے اور کمیشن کو آئین اور قانون کے مطابق مزید یا کسی اور کارروائی کا سامنا ہو سکتا ہے۔

6۔　لیکن ایک اور زیادہ بنیادی پہلو بھی ہے جس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مختصر حکم کے پیرا نمبر 8 میں واضح طور پر قرار دیا گیا ہے کہ جب ضروری بیان (اقرار نامہ) جمع کرایا جائے گا اور اس کی تصدیق متعلقہ سیاسی پارٹی کی جانب سے کی جائے گی، تو اُس امیدوار کی طرف سے حاصل کردہ نشست فوراً اُس سیاسی پارٹی کی حاصل شدہ نشست سمجھی جائے گی۔ لہذا، اوپر بیان کردہ اعلامیے اور تصدیق نامے جمع کرانے پر، کامیاب امیدواروں (جو بالترتیب ایم این ایز اور ایم پی ایز ہیں) کی حیثیت بالحاظِ حقیقت اور قانون فوری طور پر تعین وطے ہو چکی ہے اور یوں اُن تاریخوں پر جو کچھ بھی طے شدہ ہے اُن کو بعد میں کیے جانے والے کسی بھی عمل سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ بامطابق متعین شدہ حیثیت، مذکورہ کامیاب امیدواران پی ٹی آئی کے کامیاب امیدوار تھے اور ہیں، اور آئینی و قانونی غرض کے لئے، مذکورہ امیدواران قومی اسمبلی اور متعلقہ صوبائی اسمبلیوں میں پی ٹی آئی کی پارلیمانی پارٹی کے ارکان ہیں۔ آئین اور قانون کی رو سے ایک واضح معاملے کو کمیشن کی جانب سے دھندلا کرنے اور الجھانے کی کوشش کی سخت مذمت کی جانی چاہیے۔ مختصر حکم کے پیرا نمبر 8 (جو پیرا نمبر 10 کے ساتھ پڑھا جائے) کے تحت کمیشن کی جانب سے جاری ہونے والی مطلوبہ فہرست محض ایک دفتری عمل ہے اور متعلقہ افراد کے معلومات اور سہولت کے لیے ہے جس کا کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔ قانونی لحاظ سے کمیشن کی واجب العمل ذمہ داری کی انجام دہی میں مسلسل ناکامی اور انکار کے سخت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ لہذا اس واجب العمل ذمہ داری کی فوری تکمیل کی جانی چاہیے۔

7۔　مندرجہ بالا وضاحتوں کے ساتھ، موجودہ درخواست کو نمٹا دیا جاتا ہے۔ دفتر اس آرڈر کی ایک کاپی متعلقہ فریقین کو ارسال کریں۔

جب کمیشن نے ہمارے مختصر حکم مورخہ 12 جولائی 2024 کی وضاحت طلب کی تاکہ اس پر عمل درآمد کیا جا سکے، تو ہم یہاں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پیرا 10 کے تحت نہ تو قانونی لحاظ سے ضروری تھا اور نہ ہی ہمیں کوئی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم اس نکتے پر وضاحت دینے سے قبل فریقین کو سنیں جس کے متعلق کمیشن کو ابہام تھا۔ لہذا، ہم نے کمیشن کی درخواست پر فریقین کو نوٹس جاری کیے بغیر اور ان کو سنے بغیر اوپر بیان کردہ وضاحت فراہم کی۔

(iii) کیا آئین کے آرٹیکل (e) (d) (6)51 اور (c) (3)106 صرف ان سیاسی جماعتوں کا حوالہ دیتے ہیں جنہوں نے عام نشستوں کے لیے انتخاب لڑا اور جنرل سیٹیں جیتی یا تمام رجسٹرڈ شدہ جماعتوں سے بھی متعلق ہیں؟

59۔　یہ سوال فریقین کے وکلاء کی جانب سے پیش کردہ دلائل کے دوران کافی بحث و مباحثے کا موضوع رہا۔ یہ سوال دراصل فریقین کے اختلافی دلائل سے جنم اُٹھا ہے۔ فاضل وکیل برائے سنی اتحاد کونسل نے یہ دلیل دی کہ آئین کے آرٹیکل (e) (d) (6)51 اور (c) (3)106 اُن تمام رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کا حوالہ دیتے ہیں جنہوں نے یا تو براہ راست اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے یا پھر آزاد کامیاب امیدواروں کی شمولیت کے ذریعے عام نشستیں "حاصل" کی ہیں۔ اس کے برعکس، کمیشن اور دیگر مسؤل الیہم کے وکلاء نے بحث کی کہ آئین کے آرٹیکل (e) (d) (6)51 اور (c) (3)106 صرف اُن سیاسی جماعتوں کے متعلق ہیں جنہوں نے براہ راست اپنے نامزد کردہ امیدواروں کے ذریعے ایک یا ایک سے زیادہ عام نشستیں انتخابی مقابلہ کرکے جیتے ہو۔

60۔ آرٹیکل (e) (d) (6)51 اور (c) (3)106 کے الفاظ میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے؛ فرق صرف ان کے اطلاق میں ہے۔ آرٹیکل (e) (d) (6)51 کا اطلاق قومی اسمبلی میں خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں پر ہوتا ہے، جبکہ آرٹیکل (c) (3)106، صوبائی اسمبلیوں میں ایسی تمام نشستوں سے متعلق ہے۔

لہذا، ہم آرٹیکل (e) (d) (6)51 کی دفعات پر بحث کریں گے اور اُن کے معانی کا تعین کریں گے، جو کہ آرٹیکل (c) (3)106 سے بھی متعلق ہو گا۔ آرٹیکل (6)51 (e) (d) کی دفعات، اسی آرٹیکل کی دوسری متعلقہ شقوں کے ساتھ، پڑھنے اور حوالہ دینے کے لیے یہاں درج کی گئی ہیں :

51. (1) قومی اسمبلی میں خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں کے بشمول ارکان کی تین سو چھتیس نشستیں ہوں گی۔

(2)----------------------

(3) شق (1) میں محولہ قومی اسمبلی کی نشستیں، ماسوائے جیسا کہ شق (4) میں فراہم کیا گیا ہے، ہر ایک صوبہ اور وفاقی دارالحکومت کے لیے حسب ذیل طور سے متعین کی جائیں گی:

	عام نشستیں	خواتین کی نشستیں	کُل نشستیں
بلوچستان	16	4	20
خیبر پختونخوا	45	10	55
پنجاب	141	32	173
سندھ	61	14	75
وفاقی دارالحکومت	3	-	3
کل	266	60	326

(3A) ----------------------

(4) شق (3) میں محولہ نشستوں کی تعداد کے علاوہ، قومی اسمبلی میں غیر مسلموں کے لیے دس نشستیں مختص کی جائیں گی۔

(5)----------------------------

(6) قومی اسمبلی کے لیے انتخاب کی غرض سے -

(a)--------------------------

(b) ہر ایک صوبہ خواتین کے لیے مخصوص تمام نشستوں کے لیے جو متعلقہ صوبوں کے لیے شق (3) کے تحت متعین کی گئی ہیں واحد حلقہ انتخاب ہو گا؛

(c) غیر مسلموں کے لیے مخصوص تمام نشستوں کے لیے حلقہ انتخاب پورا ملک ہو گا؛

(d) خواتین کے لیے مخصوص شدہ نشستوں کے لیے جو کسی صوبے کے لیے شق (3) کے تحت مختص کی گئی ہیں ارکان قانون کے مطابق سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کی فہرست سے متناسب نمائندگی کے نظام کے ذریعے قومی اسمبلی میں متعلقہ صوبے سے ہر ایک سیاسی جماعت کی طرف سے حاصل کردہ عام نشستوں کی کُل تعداد کی بنیاد پر منتخب کیے جائیں گے:

مگر شرط یہ ہے کہ اس پیراگراف کی غرض کے لیے کسی سیاسی جماعت کی طرف سے **حاصل کردہ** عام نشستوں کی کل تعداد میں وہ کامیاب آزاد امیدوار **شامل** ہوں گے جو سرکاری جریدے میں کامیاب اُمیدواروں کے ناموں کی اشاعت سے تین یوم کی اندر باضابطہ طور پر مذکورہ سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں؛

(e) غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں کے لیے ارکان قانون کے مطابق سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کی فہرست سے متناسب نمائندگی کے نظام کے ذریعے قومی اسمبلی میں ہر ایک سیاسی جماعت کی طرف سے حاصل کردہ عام نشستوں کی کُل تعداد کی بنیاد پر منتخب کیے جائیں گے:

> مگر شرط یہ ہے کہ اس پیرا گراف کی غرض کے لیے کسی سیاسی جماعت کی طرف سے **حاصل کردہ** عام نشستوں کی کل تعداد میں وہ کامیاب آزاد میدوار یا امیدواران شامل ہوں گے جو سرکاری جریدے میں کامیاب اُمیدواروں کے ناموں کی اشاعت سے تین یوم کی اندر باضابطہ طور پر مذکورہ سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں۔

آئین کے آرٹیکل 51 کے مذکورہ بالا احکام کے لفظی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی اسمبلی میں ارکان کے لیے تین سو چھتیس (336) نشستیں ہیں، جن میں سے ساٹھ (60) نشستیں خواتین کے لیے اور دس (10) غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر صوبہ خواتین کے لیے مختص تمام نشستوں کے لیے ایک علیحدہ حلقہ انتخاب ہے جو اُس صوبے کے لیے قومی اسمبلی میں مختص کی گئی ہیں، جبکہ غیر مسلموں کے لیے مخصوص تمام نشستوں کا حلقہ انتخاب پورا ملک ہے۔ خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں پر ارکان کا انتخاب، بمطابق قانون سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کی فہرستوں میں سے متناسب نمائندگی کے نظام کے تحت کیا جاتا ہے۔ تاہم، حلقوں کے مابین مذکورہ بالا فرق کی وجہ سے، خواتین کے لیے مخصوص نشستوں کے ارکان کا انتخاب متعلقہ صوبے میں ہر سیاسی جماعت کا قومی اسمبلی میں حاصل کردہ عمومی نشستوں کی مجموعی تعداد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، جبکہ غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں کے ارکان کا انتخاب ہر سیاسی جماعت کی پوری قومی اسمبلی میں جیتی گئی عمومی نشستوں کی مجموعی تعداد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے باوجود اس کے کہ وہ کس صوبے سے یہ عام نشستیں جیتی ہیں۔ اسی طرح متناسب نمائندگی کے نظام کے تحت کسی سیاسی جماعت کے حصے کا تعین کرنے کے غرض کے لیے اُس کی جانب سے جیتی گئی عام نشستوں کی کل تعداد میں کامیاب ہونے والے وہ آزاد امیدواران بھی شامل ہوتے ہیں جو سرکاری جریدے میں کامیاب اُمیدواروں کے ناموں کی اشاعت سے تین یوم کے اندر مذکورہ سیاسی جماعت میں شامل ہوئے ہو۔

61۔ سنی اتحاد کونسل کے فاضل وکیل نے اپنے مؤقف کی حمایت میں یہ دلیل پیش کی کہ آرٹیکل (d)(6)51 کے لیے جو اضافی شرط (Proviso) آئین میں درج ہے، آزاد کامیاب امیدواروں کو کسی بھی سیاسی جماعت میں شمولیت کی اجازت فراہم کرتی ہے اور ساتھ میں اس امر کو بھی ممکن بناتی ہے کہ ایسی سیاسی جماعت جو اپنے نامزد کردہ امیدواروں کے ذریعے براہ راست تو کوئی عام نشست نہیں جیت سکی لیکن آزاد کامیاب امیدواروں کی شمولیت کے ذریعے متعلقہ صوبے سے کچھ عام نشستیں "حاصل" کر سکے۔ انہوں نے آرٹیکل (d)(6)51 میں لفظ "جیتی ہوئی" کے بجائے لفظ "حاصل کردہ" کے استعمال پر زیادہ زور دیا۔

62۔ ہم نے دیکھا کہ آرٹیکل (6)51 کے پیراگراف (e) کی بنیادی دفعات اور اس کے لیے درج شدہ شرط، جو کہ غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں سے متعلق ہیں، دونوں میں "حاصل کردہ" کے بجائے "جیتی ہوئی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس پیراگراف کی تشریح آرٹیکل (6)51 کے پیراگراف (d) کے ساتھ ملا کر کرنے کی ضرورت ہے، جو کہ خواتین کے لیے مخصوص نشستوں سے متعلق ہے، اور اس حوالے سے کسی بھی فریق کے وکیل نے یہ دلیل پیش نہیں کی کہ پیراگراف (e) کی تشریح پیراگراف (d) سے مختلف ہونی چاہیے۔ اور نہ ہی ہمیں کوئی وجہ یا منطق نظر آتی ہے کہ اِن کی تشریح مختلف کی جائے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان صرف ایک فرق ہے، اور وہ انتخابی حلقوں کے حوالے سے ہے: خواتین کے لیے مخصوص نشستوں کے ارکان کے انتخاب کے لیے ہر صوبہ ایک علیحدہ اور الگ انتخابی حلقہ ہے، جبکہ غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں کے انتخاب کے لیے پورا ملک انتخابی حلقہ ہے۔ مزید برآں، آرٹیکل (6)51 کے دونوں پیراگراف (d) اور (e) کی شرائطوں میں "جیتی ہوئی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں قریبی جڑے ہوئے شقوں کو یکسوئی اور ہم آہنگی کے ساتھ زیر غور لاتے ہوئے، ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ "حاصل کردہ" اور "جیتی ہوئی" کے الفاظ کو ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا، آرٹیکل (6)51 کے پیراگراف (d) میں "حاصل کیے گئے" لفظ کے استعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہ قیاس کہ ایک قانون میں استعمال ہونے والے وہی الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ اور مختلف الفاظ کے مختلف معنی، مطلق اصول نہیں ہے۔

63۔ اگرچہ یہ قیاس کرنا مناسب ہے کہ کسی قانون یا اس کے کسی حصے میں ایک ہی لفظ کے استعمال سے وہی معنی مراد ہوتا ہے جو اُس لفظ کے ہیں، اور یہ کہ لفظ کی تبدیلی معنی کی تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے، لیکن یہ قیاس نہ تو قطعی ہوتا ہے اور نہ ہی ہر صورت میں فیصلہ کن ہوتا ہے۔ کسی قانون میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معنی متعین کرنے میں سیاق وسباق اس قیاس پر فوقیت رکھتا ہے، اور یہاں تک کہ الفاظ اور اصطلاحات کی قانونی تعریفیں بھی اس بات کے تابع ہوتی ہیں۔ لہٰذا، یہ عین ممکن ہے کہ ایک قانون یا اس کے کسی حصے میں ایک ہی لفظ مختلف معنی میں استعمال کیا جائے، یا اس کے برعکس، مختلف الفاظ کو ایک ہی معنی کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں، جیسا کہ **Maxwell** اور **Bennion** نے نشاندہی کی ہے مثلاً جہاں کسی قانون میں الفاظ پچھلے دو یا دو سے زیادہ رائج شدہ قوانین سے اخذ کیے

گئے ہوں (Consolidating enactments)، یا قانون مختلف ذرائع سے مرتب کیا گیا ہو، یا قانون مختلف ذہنوں کے اشتراک کا نتیجہ ہو، یا پھر قانون سازی کے دوران قانون میں مختلف ہاتھوں سے ترامیم اور اضافے کیے گئے ہوں، وغیرہ۔[48]

"حاصل کردہ" اور "جیتی ہوئی" کے الفاظ آرٹیکل 51(6)(d) کے پیراگراف میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور انہیں بنیادی دفعات اور شرائط میں ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

64۔ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہچوں قسم کی صورتحال نے آرٹیکل 51(6)(d) کی بنیادی دفعات اور اس کی اضافی شرط میں ایک ہی معنی کے لیے مختلف الفاظ کا استعمال ممکن بنایا ہے یعنی بنیادی دفعات میں "حاصل کردہ" کا لفظ کا استعمال ہونا اور اس کی اضافی شرط میں "جیتی ہوئی" کا لفظ استعمال ہونا، یا تو اس وجہ سے ہے کہ دونوں لفظوں کو مختلف ذرائع سے اکھٹے کیے گئے ہیں یا پھر اس وجہ سے کہ ہر ایک کو مختلف ذہنوں نے تخلیق کیا ہے۔ دونوں الفاظ کا "جیتی ہوئی" کا معنی دینا مقننہ کے ارادے کو واضح طور پر ثابت کرتی ہے کیونکہ آرٹیکل 51(6) کے ساتھ جُڑے ہوئے پیراگراف (e) کی بنیادی دفعات اور اس کی اضافی شرط میں "جیتی ہوئی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) کے اضافی شرط کے مسودہ ساز نے بھی فرض کیا ہے کہ چونکہ بنیادی دفعات میں "جیتی ہوئی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے انہوں نے اضافی شرط میں بھی اسی طرح کا حوالہ دیا ہے۔ لہذا، یہ معقول یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "حاصل کردہ" اور "جیتی ہوئی" کے الفاظ آرٹیکل 51 کے پیراگراف (d) میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور انہیں بنیادی دفعات اور اضافی شرط میں ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔

65۔ جب ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "حاصل کردہ" اور "جیتی ہوئی" کے الفاظ آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور انہیں بنیادی دفعات اور اضافی شرط میں ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، تو "جیتی ہوئی" کا لفظ، جو "حاصل کردہ" کے مقابلے میں زیادہ مخصوص اور واضح ہے، ہماری اس آرٹیکل کی دفعات کی تشریح میں رہنمائی فراہم کرے گا۔ کیونکہ جب کوئی قانون یا کوئی اور دستاویز ایک ہی معنی کے لیے دو مختلف الفاظ استعمال کرتے ہو اور ان میں سے ایک لفظ کے معنی میں کوئی ابہام پیدا ہوتا ہے، تو وہ لفظ جو مخصوص اور واضح ہو، عمومی اور مبہم لفظ کی تشریح میں رہنمائی فراہم کرے گا، نہ کہ اس کے برعکس۔ اس طرح پڑھا جائے تو آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) کی بنیادی دفعات واضح طور پر ان سیاسی جماعتوں کا حوالہ دیتی ہیں جنہوں نے متعلقہ صوبے سے قومی اسمبلی میں عام نشستیں "جیتی" ہیں۔ نتیجہ خیز نقطہ، جس کے لیے شاید ہی کوئی وسیع معاون دلائل کی ضرورت ہو، یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے ان نشستوں کے لیے مقابلہ کرکے عام نشستیں جیتتی ہیں۔

66۔ سنی اتحاد کونسل کے فاضل وکیل نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ سیاسی جماعتیں عام نشستیں اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے ان نشستوں کے لیے مقابلہ کرکے جیت لیتے ہیں۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ اضافی شرط (Proviso) ایک سیاسی جماعت جو آزاد کامیاب امیدواروں کی شمولیت کے ذریعے عام نشستیں حاصل کرتی ہیں، کو اُس جماعت کے برابر لاتی ہے جو بنیادی دفعات آرٹیکل 51(6)(d) میں بیان کردہ اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے ایسی نشستیں براہ راست جیتتی ہیں۔ ہم اس استدلال سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ اس دلیل میں اضافی شرط کے موضوع اور مقصد کو غلط طور پر سمجھا گیا ہے۔

آرٹیکل 51(6)(d) کے اضافی شرط کا موضوع اور مقصد:

67 ۔ ہماری سمجھ کے مطابق، اضافی شرط کا موضوع "عام نشستیں" ہیں، یعنی "عام نشستیں جو کسی سیاسی جماعت نے جیتی (حاصل کی) ہیں"، نہ کہ وہ سیاسی جماعت جو ایسی نشستیں جیت رہی (حاصل کر رہی) ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پیراگراف کے غرض کے لیے "کسی سیاسی جماعت کی جانب سے جیتی (حاصل کی) گئی عام نشستوں کی کل تعداد" کو کس طرح متعین کیا جائے، نہ کہ اس پیراگراف کے غرض کے لیے سیاسی جماعتوں کی تعریف یا وضاحت کرنا ہے۔ اگر اضافی شرط میں کہا گیا ہو تا کہ اس پیراگراف کے غرض کے لیے عام نشستیں جیتنے والی سیاسی جماعت میں آزاد منتخب امیدواروں کی شمولیت سے حاصل کردہ عام نشستیں بھی شامل ہوں گی، تو اس دلیل میں

---

[48] Maxwell on the Interpretation of Statutes (بارہویں ایڈیشن) صفحات 278-289 اور Bennion on Statutory Interpretation (ساتویں ایڈیشن) صفحات 513-517۔
مزید دیکھیں: Craies on Legislation (نویں ایڈیشن) صفحات 693-694۔

کچھ وزن ہوتا۔ لیکن اضافی شرط میں اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ اضافی شرط کسی بھی طریقے سے "سیاسی جماعت" کے اصطلاح کے معنی کو نہ تو توسیع دیتی ہے نہ ہی اس کی وضاحت کرتی ہے جیسا کہ پیراگراف کی بنیادی دفعات میں ذکر ہوا ہے۔

آرٹیکل (d)(6)51 کی اضافی شرط ایک حقیقی شرط نہیں:

68۔ جیسا کہ تسلیم شدہ ہے کہ ایک حقیقی شرط بنیادی دفعات کے لیے دراصل استثنا کے طور پر کام کرتی ہے۔ یہ ایک مخصوص معاملے کو بنیادی دفعات میں بیان کردہ قاعدے سے مستثنیٰ کرتی ہے، اور بنیادی دفعات کی اطلاق پذیری کو محدود یا مشروط کرتی ہے۔ اس کا اثر عموماً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اگر اضافی شرط نہ ہوتی تو بنیادی دفعات اضافی شرط کے موضوع کو بھی اپنے اندر شامل کر لیتی[49]۔ تاہم، چونکہ یہاں ڈھانچہ (Form) نہیں بلکہ مواد (Substance) اہمیت رکھتی ہے، لہٰذا بنیادی دفعات اور اضافی شرط دونوں کی واضح زبان یہ ثابت کر سکتی ہے، جیسا کہ اس عدالت نے **مقدمہ ہمدرد دواخانہ**[50] میں قرار دیا ہے، کہ اضافی شرط بنیادی دفعات کو محدود یا مشروط کرنے والی شرط نہیں بلکہ بذات خود ایک باقاعدہ دفعہ ہے۔ لہٰذا، بہترین اصول یہ ہے کہ قطع نظر اس کے کہ اسے کیا نام دیا گیا ہے، بنیادی دفعات اور اضافی شرط کے متن کو ایک ساتھ پڑھا اور سمجھا جائے تاکہ مقننہ کے ارادے کا تعین کیا جا سکے۔

69۔ موجودہ زیرِ غور شرط کی حقیقی نوعیت کا تعین کرنے کے لیے، ہم پرائیوی کونسل کے مقدمہ **ATWILL**[51] کو بہت مفید سمجھتے ہیں۔ اس مقدمے میں پرائیوی کونسل کے معزز جج صاحبان نے آسٹریلیا کی ہائی کورٹ کا فیصلہ کالعدم قرار دیا تھا، جس نے اضافی شرط کو اس کے کلاسیکی مفہوم میں، یعنی اس سے پہلے آنے والی شے کو محدود یا مشروط کرنے کے طور پر دیکھا تھا۔ پرائیوی کونسل کے معزز جج صاحبان نے اُس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا:

> "اگرچہ کئی معاملات میں اضافی شرط کا یہی کردار ہوتا ہے، لیکن یہ قانون کی اصل اور مواد ہے، نہ کہ اس کا ڈھانچہ، جس پر غور کیا جانا چاہیے، اور جو چیز اضافی شرط کے طور پر بیان کی جاتی ہے وہ خود اس سے پہلے بیان کی گئی شے میں اضافہ بھی کر سکتی ہے، اور محض اسے محدود یا مشروط نہیں کرتی۔"
>
> ......
>
> "سیکشن (a)102 میں 'بشرطیکہ' کے الفاظ کا استعمال بھی محدود معنوں میں غیر موزوں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر 'بشرطیکہ' کی جگہ لفظ 'اور' استعمال کیا جاتا تو دفعہ اور اضافی شرط کا مفہوم وہی ہوتا۔۔۔ اور دفعہ کا حقیقی اثر معلوم کرنے کے لیے، دوسرا حصہ، یعنی اضافی شرط تکمیلی ہوتا ہے، اور اس طرح سے مقننہ کے مکمل ارادے کو سمجھا جا سکتا ہے۔"

اپنی رائے کو مزید مضبوط کرنے کے لیے، معزز جج صاحبان نے جج **Lord Loreburn, L.C** کے مقدمہ ***Taff Vale Railway Company***[52] میں کیے گئے درج ذیل تبصرے کا حوالہ دیا:

> "لیکن یہ بھی درست ہے کہ اگرچہ یہ بظاہر ایک اضافی شرط کی صورت میں ہے، درحقیقت یہ ایک نئی قانون سازی ہے، جو پہلے سے موجود شق میں اضافہ کرتی ہے اور محض اسے مشروط یا محدود نہیں کرتی۔"

---

[49] ایسٹ اینڈ ویسٹ اسٹیم شپ کمپنی بنام پاکستان PLD 1958 SC 41 جج کورنیلیس کے مطابق۔ پر متھاناتھ بنام کمیر مونڈل PLD 1965 SC 434; ہمدرد دواخانہ بنام سی آئی ٹی 1980PLD SC 84 ; قادر بخش بنام صوبہ سندھ 1982 SCMR 482؛ کے ای ایس سی پروگریسو ورکرز یونین بنام کے ای ایس سی لیبر یونین 1991 SCMR 888 اور نواب بی بی بنام اللہ دتہ 1998 SCMR 2381

[50] ہمدرد دواخانہ بنام سی آئی ٹی (5MB) PLD 1980 SC 84۔ یہ بھی دیکھیں CIT بنام M/s Philips Holzman PLD 1868 Kar. 95 اور PIFFA بنام صوبہ سندھ 2017 PTD 1

[51] سٹامپ ڈیوٹیز کمیشنر بنام اٹویل 1973 AC 558

[52] رونڈا اربن ڈسٹرکٹ کونسل بنام ٹاف ویل ریلوے کمپنی 1909 AC 253۔

معزز جج صاحبان نے مقدمہ *Jennings*[53] میں Viscount Maugham اور Lord Wright کے اسی طرح کے تبصروں کا بھی حوالہ دیا، جن میں اضافی شرط کے حقیقی مفہوم کا تعین کیا گیا تھا۔

70۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ **پرائیوی کونسل** کے معزز جج صاحبان کے **مقدمہ ATWILL** میں کیا گیا تبصرہ مکمل طور پر موجودہ زیر غور اضافی شرط پر لاگو ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں، آئین کے آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) کی بنیادی دفعات اور اس کی اضافی شرط کا مفہوم وہی ہوگا، چاہے "بشرطیکہ" کے الفاظ کی جگہ "اور" کا لفظ استعمال کیوں نہ کیا گیا ہو۔ ہماری متعین رائے میں، مقننہ کے ارادے کے مطابق بنیادی دفعات کے حقیقی اثر کا تعین کرنے کے لیے دوسرے حصے، یعنی اضافی شرط کو پہلے حصے، یعنی بنیادی دفعات کے ساتھ تکمیلی طور پر پڑھا جانا چاہیے، نہ کہ اسے محدود کرنے یا وضاحت کے طور پر۔ یہ طریقہ کار اس اصول سے بھی مطابقت رکھتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ چاہے اسے کسی بھی نام سے پکارا جائے، بنیادی دفعات اور اضافی شرط کو مقننہ کے ارادے کا تعین کرنے کے لیے ایک ساتھ پڑھا اور سمجھا جانا چاہیے۔

71۔ ہم نے اوپر یہ طے کیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) کی بنیادی دفعات اُن سیاسی جماعتوں سے متعلق ہیں جنہوں نے اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے متعلقہ صوبے سے قومی اسمبلی کی عام نشستیں جیتی ہیں۔ اضافی شرط میں اس بات کا تقاضا کیا گیا ہے کہ اس پیراگراف کے غرض کے لیے، سیاسی جماعت کی جیتی ہوئی عام نشستوں کی مجموعی تعداد میں وہ آزاد کامیاب امیدوار بھی شامل ہوں گے جو مناسب طریقے سے اس سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اگر اضافی شرط نہ ہوتی تو آزاد کامیاب امیدواروں کی جیتی ہوئی عام نشستوں کو سیاسی جماعت کی جیتی ہوئی نشستیں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا، جیسا کہ Lord Loreburn نے کہا ہے کہ اضافی شرط درحقیقت ایک نئی قانون سازی ہے جو بنیادی دفعات میں اضافہ کرتی ہے، اور محض اس میں کوئی حد یا وضاحت شامل نہیں کرتی جو پہلے سے بنیادی دفعات میں موجود ہو۔ چونکہ یہ شق آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) کی بنیادی دفعات کو محدود یا اہل نہیں کرتی بلکہ اس میں اضافہ کرتی ہے، لہٰذا یہ حقیقی معنوں میں کوئی اضافی شرط نہیں بلکہ ایک باقاعدہ دفعہ ہے جو ایسی چیز کو نافذ کرتی ہے جو بصورت دیگر پیراگراف کی بنیادی دفعات میں شامل نہ ہوتی۔

72۔ تاہم، اضافی شرط کا آخری حصہ حقیقی معنوں میں ایک شرط ہے کیونکہ یہ اس کی وضاحت کرتا ہے جو اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے، یعنی آزاد امیدواروں کی نشستوں کو اس سیاسی جماعت کی جیتی ہوئی نشستوں میں شامل کرنا جس میں وہ شامل ہو جائیں۔ اس حصے کے مطابق، شامل ہونے کا مطلوبہ اثر صرف اس وقت ہوگا جب سرکاری گزٹ میں کامیاب امیدواروں کے ناموں کی اشاعت کے تین دن کے اندر ہو۔ اس طرح پیراگراف کے غرض کے لیے، آزاد امیدواروں کی تین دن کی مدت کے بعد کی جانے والی شمولیت کا اثر نہیں رہے گا۔

شق کے آخری حصے میں "سیاسی جماعت" کے ساتھ "ایسی(Such)" لفظ کے استعمال کا اثر۔

73۔ قوانین کی لفظی تشریح (literal construction) کا ایک عام اصول ہے کہ ایک اہلیت یا نسبت ظاہر کرنے والا لفظ، جملہ یا عبارت، جیسے "کونسا"(which)، "مذکورہ"(said) اور "ایسا"(such)، کو اس سے فوراً پہلے آنے والے لفظ، جملے یا عبارت سے منسوب کیا جائے گا۔ جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے، اسے قریب ترین پیش رو سے منسوب کیا جائے گا اور زیادہ دور کے عناصر تک توسیع نہیں دی جائے گی، جب تک کہ کوئی مخالف ارادہ ظاہر نہ ہو۔[54]

74۔ اضافی شرط کے آخری حصے میں "ایسی سیاسی جماعت" کی تعریفی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جس میں آزاد منتخب امیدوار یا امیدواران شامل ہو سکتے ہیں۔ ہے۔ جب ہم اس تعریفی اصطلاح پر مذکورہ بالا عمومی قاعدے کا اطلاق کرتے ہیں، تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ "ایک سیاسی جماعت" کے پچھلے استعمال کردہ اصطلاح کی طرف اشارہ کرتا ہے، جہاں "سیاسی جماعت" کا اسم ایسی سیاسی جماعت کو ظاہر کرتا ہے جو عام نشستیں جیت چکی ہے۔ لہٰذا، یہ ناگزیر طور پر نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ آرٹیکل 51 (6) کے دفعہ (d) کے غرض کے لیے اور اس کے اضافی شرط کے دائرے میں، آزاد منتخب امیدوار یا امیدواروں کو صرف ایسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کی اجازت دیتی ہے، جس نے متعلقہ صوبے سے قومی اسمبلی میں اپنے نامزد امیدواروں کے ذریعے ایک یا ایک سے زیادہ عام نشستیں جیتی ہو۔

آرٹیکل 63A(2) اور آرٹیکل 51(6)(d) کا ہم آہنگ مطالعہ:

[53] جیننگز بنام کیلی 1940 AC 206

[54] Maxwell on the Interpretation of Statutes (12ویں ایڈ.) صفحہ 331.

75۔ Cooley کے مطابق، آئین ریاست کا ایک بنیادی قانون ہے، جو ایسے اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے جن پر حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہوتی ہے، اختیارات کی تقسیم کو ایک منظم ضابطے کے تحت لاتی ہے، اور یہ طے کرتا ہے کہ کونسا اختیار کس شخص تک محدود کیا جانا چاہیے اور اسے کس طرح سے استعمال کیا جانا ہے۔[55] لہٰذا، آئین کی تشریح کا ایک بنیادی اصول، جو ہماری آئینی فقہ (constitutional jurisprudence) میں اچھی طرح سے مستحکم ہے، کہ آئین کو ایک زندہ اور مربوط دستاویز کے طور پر تعبیر کیا جانا چاہیے، جس کے مختلف حصوں، خاص طور پر جو باہم مربوط ہیں، کو ہم آہنگ کیا جا کر ان سب کو مؤثر طریقے سے عمل میں لانے کی کوشش کی جائے تاکہ آئین کو ریاست کی بلا رکاوٹ اور عمدہ حکمرانی کے لیے ایک مؤثر اور کارآمد آلہ بنایا جا سکے، اور اسی طرح یہ آئین کے ذریعے حاصل کیے جانے والے حتمی مقاصد میں سے ایک ہے۔[56]

76۔ آئینی تشریح کے اس اصول کے پیش نظر، فاضل اٹارنی جنرل نے ہماری توجہ آرٹیکل 63A کی شق (2) کی طرف دلائی، جو ایک پارلیمانی پارٹی کے رکن کی تعریف کرتی ہے اور اس پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح ایک سیاسی پارٹی پارلیمانی پارٹی بنتی ہے۔ آرٹیکل 63A کی ان شقوں کو بنیاد بناتے ہوئے، انہوں نے دلیل دی کہ صرف وہ سیاسی پارٹی جس کے نامزد امیدواران ایوان کے رکن بن جاتے ہیں، ایک پارلیمانی پارٹی کہلاتی ہے۔ اس لیے، ان کا کہنا تھا کہ آرٹیکل (6)51 کی شق (d) میں 'سیاسی پارٹی' کے اصطلاح کو بھی یہی معنی دی جانی چاہیے تاکہ دونوں شقیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔

77۔ ہم نے ان کے مؤقف پر سنجیدگی سے غور کیا جو کہ بہت متاثر کُن ہے اور ہمارے اِس نقطہ نظر کے ساتھ ہم آہنگ پایا جاتا ہے جسے ہم آرٹیکل 51(6)(d) میں استعمال ہونے والی اصطلاح "سیاسی جماعت" کے معنی کے حوالے سے اپنانے کا رجحان رکھتے ہیں۔ آرٹیکل 63A کی شق (2) کی دفعات کو سہولت کے لیے یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

> (2) کسی ایوان کا کوئی رکن کسی پارلیمانی پارٹی کا رکن ہو گا اگر وہ، ایسی سیاسی جماعت کے جو ایوان میں پارلیمانی پارٹی تشکیل کرتی ہو امیدوار یا نامزد کے طور پر منتخب ہو کر یا کسی سیاسی جماعت کے امیدوار یا نامزد کے حیثیت کے علاوہ بصورت دیگر منتخب ہو کر مذکورہ انتخات کے بعد تحریری اعلان کے ذریعے مذکورہ پارلیمانی پارٹی کا رکن بن گیا ہو۔

اوپر دیے گئے احکام کا سادہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک ایوان کا رکن دو صورتوں میں پارلیمانی پارٹی کا رکن بنتا ہے (i) : اگر وہ ایک سیاسی پارٹی کے امیدوار یا نامزد امیدوار کے طور پر منتخب ہوا ہے جو پارلیمانی پارٹی تشکیل دیتی ہے، تو وہ خود بخود ایسی پارلیمانی پارٹی کا رکن بن جاتا ہے، یا (ii) اگر وہ آزاد امیدوار کے طور پر منتخب ہوا ہے (یعنی کسی سیاسی پارٹی کے امیدوار یا نامزد امیدوار کے طور پر نہیں)، تو وہ تحریری اعلان کے ذریعے ایسی پارلیمانی پارٹی میں شامل ہو جاتا ہے۔

78۔ مخصوص اصطلاح "ایسی پارلیمانی جماعت"، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اس سے فوراً پہلے آنے والی اصطلاح "پارلیمانی جماعت" کی طرف اشارہ کرتی ہے، جہاں "پارلیمانی جماعت" کا اسم اُس سیاسی جماعت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جس کا امیدوار یا نامزد کردہ شخص ایوان کا رکن منتخب ہوا ہو۔ یہ اس بات کو یوں واضح کرتا ہے کہ پہلی صورت میں، کسی سیاسی جماعت کے امیدوار یا نامزد کردہ شخص کے ایوان کا رکن بننے سے ایک عمل کے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں: (i) اس سے وہ سیاسی جماعت، جس کا امیدوار یا نامزد شخص ایوان کا رکن منتخب ہوتا ہے، ایک پارلیمانی جماعت بن جاتی ہے، اور (ii) اس سے وہ ایوان کا رکن، ایسی پارلیمانی جماعت کا رکن بن جاتا ہے۔ ایک آزاد امیدوار کے طور پر منتخب ہونے والے ایوان کا رکن صرف ایسی سیاسی جماعت میں شامل ہو کر پارلیمانی پارٹی کا رکن بن سکتا ہے جو پارلیمانی پارٹی تشکیل دیتی ہے، نہ کہ ایسی سیاسی جماعت میں جو پارلیمانی پارٹی تشکیل نہ دیتی ہو۔ مؤخر الذکر قسم کی سیاسی جماعت

---

[55] کولی، "A treatise on the Constitutional Limitations"، (پہلا ایڈیشن) صفحہ 2

[56] صدارتی حوالہ PLD 1975 SC 219; فضل القادر چوہدری بنام عبدالحق PLD 1963 SC 486; ریاست بنام ضیاء الرحمان PLD 1973 SC 49; فیڈریشن آف پاکستان بنام سعید احمد PLD 1974 SC 151; نواز شریف بنام صدر پاکستان PLD 1993 SC 473; الجہاد ٹرسٹ بنام فیڈریشن پاکستان PLD 1996 SC 324; شاہد نبی بنام چیف الیکشن کمشنر PLD 1997 SC 32; وکلاء محاذ بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1998 SC 1263; منیر حسین بھٹی بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2011 SC 308 + 407; صدارتی حوالہ PLD 2013 SC 279; ججز پنشن کیس PLD 2013 SC 829 اور DBA راولپنڈی بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2015 SC 401۔

میں شامل ہونے کے باوجود، کسی ایوان کا رکن پارلیمانی پارٹی کا رکن نہیں بنے گا اور تمام پارلیمانی کاروائیوں کے غرض کے لئے ایوان کا آزاد رکن ہی رہے گا۔

سوال نمبر (iii) کا جواب اور سنی اتحاد کونسل اور پاکستان تحریک انصاف پر اس کا اطلاق:

79۔ لہذا، آرٹیکل (d)(6)51 اور (e) کی دفعات کی آزادانہ تشریح کے ساتھ ساتھ آرٹیکل (2)63A کی دفعات کے ساتھ اُن کی متصل اور ہم آہنگ تشریح اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک ناقابلِ تردید نتیجے تک پہنچاتی ہے: کہ آئین کا آرٹیکل (d)(6)51 اُن سیاسی جماعتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہوں نے متعلقہ صوبے سے قومی اسمبلی میں ایک یا زیادہ عام نشستوں کے لیے مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی، نہ کہ تمام درج سیاسی جماعتوں کی طرف۔ اسی طرح، آئین کا آرٹیکل (e)(6)51 اُن سیاسی جماعتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہوں نے پورے ملک، یعنی کسی بھی صوبے یا وفاقی دارالحکومت سے قومی اسمبلی میں ایک یا زیادہ عام نشستوں کے لیے مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔

80۔ چونکہ SIC نے متعلقہ صوبوں سے یا ملک کے کسی بھی حصے سے قومی اسمبلی میں ایک یا ایک سے زیادہ عام نشستوں کے لیے مقابلہ نہیں کیا اور کامیابی بھی حاصل نہیں کی، اس لیے یہ ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس میں آزاد منتخب کردہ امیدوار شامل ہو سکیں، جیسا کہ آئین کے آرٹیکل (6)51 کی شقوں (d) اور (e) میں بیان کیا گیا ہے۔ لہذا، بعض کامیاب امیدواروں کا اس میں شامل ہونا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا، اور اُن کامیاب امیدواروں کی قانونی حیثیت وہی رہے گی جیسے کہ اس عمل سے پہلے تھی۔ چونکہ SIC نے عام نشستیں نہیں جیتی ہیں، اسی لئے یہ متنازعہ مخصوص نشستوں کی تقسیم کے لئے اہل نہیں ہے۔ تاہم، جیسا کہ بعد میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا، بینچ کے گیارہ ارکان نے مختلف اعداد و شمار کے ساتھ یہ طے کیا ہے کہ PTI نے متعلقہ صوبوں سے قومی اسمبلی میں کچھ عام نشستوں کے لیے مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی ہے، اور یہ ایک ایسی سیاسی جماعت ہے جو آئین کے آرٹیکل (6)51 کی شقوں (d) اور (e) کے تحت متنازعہ مخصوص نشستوں کی تقسیم کیلئے حقدار ہے۔

(iv) آئین کے آرٹیکل (d)(6)51 اور (e) اور آرٹیکل (c)(3)106 کے مطابق مخصوص نشستوں کے غرض کیلئے سیاسی جماعتوں کی متناسب نمائندگی کی تقسیم کا حساب اور الاٹمنٹ کس طرح ہونا چاہیے؟:

81۔ یہ شاید اس مقدمے میں سب سے زیادہ بحث کیا جانے والا، اور اگر ہم کہے تو سب سے مشکل سوال تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ایک سیاسی جماعت (PTI) کے امیدواروں کے ناموں کا غیر قانونی طور پر امیدواروں کی فہرست (فارم-33) میں شامل کیا جانا اور اس کے کامیاب امیدواروں کو سیکشن-98 کی نوٹیفکیشن میں آزاد کامیاب امیدواروں کے طور پر درج کیا جانا، پارلیمانی جمہوریت میں ایک غیر معمولی صورتحال پیدا کر چکا ہے۔ یہ صورتحال بظاہر جمہوریت کے ایک بنیادی اصول—کہ ووٹر کی آواز کو قانون ساز اداروں کی تشکیل میں صحیح طور پر عکاسی ہونی چاہیے—کے خلاف ہے اور اس آئینی مقصد کے ساتھ متصادم ہے جس کا مقصد ان اداروں میں خواتین اور اقلیتوں (غیر مسلموں) کی مناسب نمائندگی کو یقینی بنانا ہے۔[57] تاہم، اوپر فراہم کردہ سوالات (i)، (ii) اور (iii) کے جوابات کے ساتھ، یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ تنازعہ دراصل مزید نہیں رہا۔

پارلیمانی جمہوریت میں سیاسی جماعتوں اور پارلیمنٹ کے آزاد ارکان کی حیثیت:

82۔ ہمارا آئین، جیسا کہ اس عدالت نے **بینظیر بھٹو**[58] کے کیس میں فیصلہ دیا ہے، ایک پارلیمانی جمہوریت قائم کرتا ہے جس میں حکومت کا ڈھانچہ کابینہ طرز حکومت کا ہے، جو بنیادی طور پر اکثریتی سیاسی جماعت کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہذا، کابینہ طرز حکومت بنیادی طور پر اکثریتی سیاسی جماعت کی حکومت ہوتی ہے، یا اتحاد کی صورت میں سیاسی جماعتوں کی حکومت ہوتی ہے۔ وہ سیاسی جماعت یا جماعتیں جو حکومت تشکیل دیتی ہیں، حکومت (ایگزیکٹو) اور عوام کے درمیان، اور پارلیمنٹ (قانون ساز اسمبلی) اور عوام کے درمیان ایک رابطے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہ وہ مؤثر ذرائع ہیں جن کے ذریعے عوام کی منشاء کا اظہار کیا جاتا ہے، اور قوانین کی منظوری اور

[57] آئین، آرٹیکل 34: قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ آرٹیکل 36: مملکت، اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات کا جن میں وفاقی اور صوبائی ملازمتوں میں ان کی مناسب نمائندگی شامل ہے، تحفظ کرے گی۔

[58] بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن پاکستان PLD 1988 SC 416

ملک کی حکمرانی اِن کے مطابق ممکن بنائی جاتی ہے۔ سیاسی جماعتیں پارلیمانی جمہوریت میں نمائندگی کی بنیاد فراہم کرتی ہیں اور یہ محض ضمنی عناصر نہیں ہوتے بلکہ بنیادی نمائندگی تشکیل دینے والے اجزاء ہیں۔[59]

.83۔ ایک پارلیمانی جمہوریت کے معمول کے مطابق، مختلف منشور پیش کرنے والی متنافس سیاسی جماعتیں، ووٹرز کو انتخاب کے مواقع فراہم کر کے پارلیمانی انتخابات کو معنی خیز بناتے ہیں۔ یہی جماعتیں پارلیمانی انتخابات کے نتائج کو ایک حکومت کی شکل دیتی ہے۔ اکثریت میں موجود جماعت یا جماعتیں حکومت تشکیل دیتی ہیں، جبکہ اقلیت میں موجود جماعت یا جماعتیں ایک فعال اپوزیشن کے طور پر کام کرتی ہیں۔ اپوزیشن حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات پر تنقید کرتی ہے اور اس طرح حکومت کو اپنی پالیسیوں اور اقدامات کا جواز پیش کرنے پر مجبور کرتی ہے، جس کے نتیجے میں یہ عوام کے سامنے جوابدہ بن جاتی ہے۔ لہذا، سیاسی جماعتیں پارلیمانی جمہوریت میں اہمیت کے حامل ادارے ہیں اور نمائندہ حکومت کی ایک اہم خصوصیت ہیں۔[60]

84۔ دوسری جانب، پارلیمنٹ (قانون ساز اسمبلی) کے ارکان کی حیثیت سے آزاد امیدوار کے طور پر منتخب ہونے والے افراد، جیسا کہ جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا ہے، "سیاسی منظرنامے پر بس گھومتے رہتے ہیں، بغیر کسی رہنما کے اور بغیر کسی منزل کے۔"[61] جب وہ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوتے ہیں، صرف اسی وقت وہ اپنی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے انتخابی حلقوں اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ اثر ورسوخ رکھنے والی قوت بن جاتے ہیں۔ وہ، ایک سیاسی جماعت کے ارکان کے طور پر، نہ کہ آزاد ارکان کے طور پر، پارلیمنٹ میں اپنے حلقوں کی مؤثر نمائندگی کا مقصد بہترین طریقے سے حاصل کرسکتے ہیں—چاہے قانون سازی کے معاملات میں ہو یا ایگزیکٹو پالیسیوں کی تشکیل میں، یا اگر وہ حکومت کا حصہ بن جائیں تو ایگزیکٹو اقدامات اٹھانے میں، یا اگر وہ اپوزیشن میں ہیں تو حکومت کو اس کی پالیسیوں اور اقدامات کے لیے جوابدہ ٹھہرانے میں۔

85۔ ہماری پارلیمانی جمہوریت میں سیاسی جماعتوں اور آزاد پارلیمانی اراکین کی مذکورہ حیثیت ہمیں مخصوص نشستوں کی تقسیم کے لیے مقرر کردہ طریقہ کار کو سمجھنے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

86۔ جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 51 کی مذکورہ بالا دفعات سے واضح ہے، اس کی شق نمبر (3) میں خواتین کے لیے مخصوص نشستوں کی تعداد کو ہر صوبے کے لیے مختص کیا گیا ہے اور شق (d)(6) ان نشستوں کے ارکان کے انتخاب کا طریقہ کار فراہم کرتی ہے۔ دونوں شقوں کی مشترکہ تشریح یہ واضح کرتی ہے کہ شق (3) کے تحت صوبے کے لیے مختص تمام مخصوص نشستوں کے ارکان کو آرٹیکل 51 کی شق (d)(6) کے تحت انتخاب کیا جانا ہے، جو کہ سیاسی جماعتوں کے تناسبی نمائندگی کے نظام کے مطابق ان کے امیدواروں کی فہرستوں سے ہوگا، اور ہر سیاسی جماعت کی جیتی گئی عام نشستوں کی مجموعی تعداد کی بنیاد پر ہوگا، اور کوئی مخصوص نشست عام طور پر خالی نہیں رہنی چاہیے۔ حالانکہ ہمارے سامنے ہونے والے دلائل میں شق (d)(6) میں استعمال ہونے والے "سیاسی جماعت" کے اصطلاح کے معنی پر مختلف مؤقف پیش کیے گئے، لیکن کسی نے بھی اس اصول کی مخالفت نہیں کی کہ صرف سیاسی جماعتیں ہی مخصوص نشستوں کی تقسیم کے لیے حق دار ہیں نا کہ آزاد منتخب کردہ امیدوار۔ آزاد منتخب کردہ امیدوار صرف اس صورت میں تناسبی نمائندگی میں شمار کیے جاسکتے ہیں اگر وہ اضافی شرائط کے مطابق عمل کرتے ہوئے کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوں، جس صورت میں ان کی نشستیں ان سیاسی جماعتوں کی نشستوں کے طور پر شمار کی جائیں گی جن میں وہ شامل ہوتے ہیں، تاکہ سیاسی جماعتوں کی تناسبی نمائندگی کا تعین کیا جاسکے۔

سیاسی جماعتوں کا متناسب نمائندگی کا نظام ایک ترکیبی اظہار ہے۔

.87 جیسا کہ Bennion[62] نے لکھا ہے کہ ایک **ترکیبی اظہار** (composite expression) کو مکمل طور پر سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ہر لفظ کو باری باری لے کر اور پھر ان کے مختلف معنی کو ملا کر ایک خاص معنی اخذ کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ پورے فقرے کا صحیح معنی ہو۔ فقرے میں ہر لفظ دوسرے الفاظ کے معنی کو متاثر کر

---

[59] نادیہ اربناتی، نمائندہ جمہوریت: اصول اور نسب نامہ (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، 2010)۔

[60] بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن پاکستان PLD 1988 SC 416

[61] ایضاً

[62] Bennion on Statutory Interpretation (7ویں ایڈ.) پی پی 533-535۔

سکتا ہے، جس سے پورے فقرے کو اپنا منفرد معنی ملتا ہے۔ لہٰذا، جیسا کہ Lord Halsbury[63] نے تبصرہ کیا ہے کہ، کسی ترکیبی اظہار کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا اور پھر ہر حصے کے الگ معنی کے مطابق تشریح کرنا ایک تسلی بخش طریقہ نہیں ہے۔ مقننہ کے ارادے کو الفاظ کے ترتیب کے ساتھ سمجھا جانا چاہیے—اسی مجموعے میں جس میں وہ رکھے گئے ہیں—نہ کہ ترکیبی اظہار کو توڑ کر الفاظ کو علیحدہ علیحدہ وزن کرنے سے۔[64] اگر ایک ترکیبی اظہار جامع ہے، تو اس میں استعمال ہونے والے مختلف اصطلاحات کے درمیان کی حد کو متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔

88۔ آرٹیکل 51(6) کی شق (d) کی دفعات، جب مذکورہ بالا ترکیبی اظہار کی تشریح کے اصولوں کی روشنی میں پڑھی جائیں، تو وہ کچھ لوگوں کے ذہنوں میں "تناسبی نمائندگی کے نظام" کے معنی اور دائرہ کار کے بارے میں موجود الجھن کو دور کرتی ہیں۔ اس شق میں استعمال ہونے والا مکمل اور ترکیبی اظہار "سیاسی جماعتوں کا تناسبی نمائندگی کا نظام" ہے۔ اس کے ساتھ منسلک "امیدواروں کی فہرست" کا اظہار، جو ایک علامتِ حذف (**اپوسٹروف**) کے ساتھ ہے، صرف مخصوص نشستوں کے لیے سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کی فہرستوں سے ارکان کے انتخاب کا طریقہ کار فراہم کرتا ہے۔ اس طرح پڑھنے پر، آرٹیکل 51(6) کی شق (d) کی دفعات اوپر بیان کردہ قانونی حیثیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ شق (3) کے تحت کسی صوبے کو مختص کردہ تمام مخصوص نشستوں کے ارکان کو آرٹیکل 51(6) کی شق (d) کے تحت سیاسی جماعتوں کے تناسبی نمائندگی کے نظام کے مطابق اُن کے امیدواروں کی فہرستوں سے منتخب کیا جائے گا، جس کی بنیاد ہر سیاسی جماعت کی جیتی گئی عام نشستوں کی مجموعی تعداد ہو گی، اور یہ یقینی بنائے گا کہ کوئی مخصوص نشست عام طور پر خالی نہ رہے۔

<u>خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستیں فراہم کرنے کا آئینی مقصد:</u>

89۔ آئین کے حصہ دوم کے باب 2 میں دی گئی پالیسی کے اصول، جنہیں اکثر آئین کا ضمیر بھی کہا جاتا ہے،[65] یہ تقاضا کرتے ہیں کہ خواتین کی قومی زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل شرکت کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں اور اقلیتوں (غیر مسلموں) کے جائز حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جائے، بشمول وفاقی اور صوبائی ملازمتوں میں ان کی مناسب نمائندگی۔[66] اس آئینی مقصد کو عملی شکل دینے کے لیے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور غیر مسلم اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ یہ آئینی تقاضا مثبت انداز میں قانون ساز اداروں میں صنفی اور اقلیتی شمولیتی نمائندگی کو فروغ دینے کا مقصد رکھتی ہے تاکہ معاشرے کے مختلف طبقات کی آوازوں کو سنا اور قانون سازی کے عمل میں مدنظر رکھا جا سکے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ قانون ساز ادارے آبادی کے متنوع نظریات اور مفادات کی عکاسی کریں۔

90۔ سیاسی جماعتوں کی متناسب نمائندگی کا اصول، جس کے تحت مخصوص نشستوں کے لیے ارکان منتخب کیے جاتے ہیں، کا مقصد قانون ساز اداروں کی تشکیل کے لیے سیاسی جماعتوں کی انتخابی حمایت کی ترجمانی کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے درمیان مخصوص نشستوں کی تقسیم اُن کی جیتی گئی عام نشستوں کی بنیاد پر کرنے سے قانون ساز ادارے ووٹرز کے انتخاب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آرٹیکل 51(6) کی شقوں (d) اور (e) کی ایسی تشریح اختیار کرنا جس کے نتیجے میں کچھ مخصوص نشستیں خالی رکھی جائیں، ایک طرح کی حق تلفی کا باعث بن سکتی ہے، جہاں ووٹرز کی مرضی صنفی اور اقلیتی نمائندگی کے لحاظ سے مکمل طور پر حقیقی انداز میں عمل میں نہیں لائی جا سکے گی۔ اور یوں مخصوص نشستوں کی فراہمی کے آئینی مقصد کی ناکامی کا موجب بنتی ہے۔

91۔ الیکشن کے قواعد کے قاعدہ 95(2) کے مطابق، جو یہ فراہم کرتا ہے کہ آزاد امیدواروں کی وہ نشستیں، جو کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہوتے، کو ہر سیاسی جماعت کے (مخصوص نشستوں) کے حصے کے تعین کرنے کے لیے شمار نہیں کیے جائیں گے۔ لہٰذا یہ قاعدہ آئینی دفعات کے ساتھ ہم آہنگ ہے، کیونکہ یہ اس آئینی مقصد کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی مخصوص نشست عام طور پر خالی نہیں رہنی چاہیے۔

---

[63] مرسی ڈاکس اور بندرگاہ بورڈ بنام ہینڈرسن برادرز 13App Cas 595 [1888].

[64] سیوائے اور سیز بنام فن یونین لندن 1896 AC 296 لارڈ میکناٹن کے مطابق

[65] بے نظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان PLD 1988 SC 416 اور غلام قاسم بنام رضیہ بیگم PLD 2021 SC 812

[66] آئین پاکستان کی شق 34 اور 36

سوال نمبر (iv) کا جواب اور اسکا پی ٹی آئی اور دیگر سیاسی جماعتوں پر اطلاق:

92۔ مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر، سوال (iv) کا جواب درج ذیل ہے: آرٹیکل 51 کی شق (d) اور (e) کی رو سے مخصوص نشستوں کی تقسیم کے لیے سیاسی جماعتوں کی تناسبی نمائندگی کا حساب ہر سیاسی جماعت کی جیتی گئی عمومی نشستوں کی مجموعی تعداد کی بنیاد پر کیا جائے گا، جس میں وہ نشستیں بھی شامل ہونگی جو آزاد امیدوار کے جیتنے کے بعد کسی جماعت میں شامل ہونے سے بنتی ہیں، لیکن ان آزاد کامیاب امیدواروں کی نشستوں کو شامل نہیں کیا جائے گا جو کسی جماعت میں شامل نہیں ہوئے ہو۔ کمیشن کو PTI اور دیگر سیاسی جماعتوں کی مخصوص نشستوں میں تناسبی نمائندگی کا حصہ اُسی حساب کے مطابق نکالنا ہوگا۔

مخصوص نشستوں میں تناسبی نمائندگی کے مناسب حصے سے انکار سیاسی جماعت اور رائے دہندگان کی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے، جو کہ آئین کے آرٹیکل (2)17 اور 19 کے تحت ضمانت شدہ ہے:

93۔ آگے بڑھنے سے قبل ہم اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ 'آئین کی قریبی منسلکہ دفعات کی ہم آہنگ اور جامع تشریح' کا مذکورہ بالا اصول یہ تقاضا کرتا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 51 کی شقوں (d) اور (e) کو نہ صرف آرٹیکل (2)63A کے ساتھ بلکہ آرٹیکل (2)17 کے ساتھ بھی ملا کر پڑھا جائے، کیونکہ وہ بھی (آرٹیکل 51) سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، اس عدالت نے *Benazir Bhutto* اور *Nawaz Sharif* کے مقدمات میں قرار دیا ہے کہ آرٹیکل (2)17 کے تحت سیاسی جماعت بنانے کا حق، جو کہ آئین میں ضمانت شدہ ہے، میں انتخابی عمل میں شرکت اور بحیثیت سیاسی جماعت انتخابات لڑنے کا حق بھی شامل ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعت کے ارکان کی مطلوبہ اکثریت رکھنے پر حکومت بنانے اور مقررہ مدتِ حکومت مکمل کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ سیاسی جماعت کے لیے جیتے گئے عام نشستوں کے تناسب سے مخصوص نشستوں کا حق بھی سیاسی جماعت بنانے کے حق کا لازمی حصہ ہے، کیونکہ یہ حق مذکورہ بنیادی حق کو "زندگی اور وجود" فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا جیتی گئی عام نشستوں کے تناسب سے مخصوص نشستوں کے حق کی عدم فراہمی نہ صرف سیاسی جماعت کے آرٹیکل (2)17 کے تحت ضمانت شدہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی بلکہ اُن ووٹروں کے آئین کے آرٹیکل 19 کے تحت فراہم کردہ بنیادی حق رائے دہی کی بھی خلاف ورزی ہوگی جنہوں نے ایسی سیاسی جماعت کے حق میں ووٹ دیا۔

کونسی دادرسی انصاف کے مقاصد کی تکمیل کرے گی؟

94۔ قانونی سوالات کا جواب دینے کے بعد ہم اب اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اس مقدمہ کے منفرد حقائق اور حالات کے پیش نظر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کون سی دادرسی موزوں ہوگی۔ جب ہم انصاف کی بات کرتے ہیں، تو ہمارے ذہن میں ایک فطری احساس ہوتا ہے کہ معاملات کی بگڑی ہوئی ہم آہنگی اور توازن کو بحال کرتے ہوئے، انکو اصل نوعیت کے مطابق رکھتے ہوئے اور ہر ایک کو اس کا حق دیتے ہوئے، کیسے درست اور اصل مقام پر لایا جائے۔[67] اس حوالے سے، ہم جج **Kaikaus** کے درج ذیل سنہری الفاظ سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، جو انہوں ***Imtiaz Ahmad***[68] کے مقدمے میں لکھے:

> "کوئی بھی (انصاف) کا نظام اس حد تک ناقص ہوتا ہے، جو ظاہر کو اہمیت دے کر اصل کو نظر انداز کر کے بنیادی حقوق کو نقصان پہنچاتا ہو۔ ایک مثالی نظام ہمیشہ وہ ہونا چاہیے جو ہر شخص کو اُس کا حق دے۔"

اپنے فیصلے میں انہوں نے مزید تحریر کیا ہے کہ:

> "میں انتظامیہ (عوامی اہلکاروں) کی طرف سے کی گئی غلطیوں کو محض حادثات کے طور پر نہیں دیکھ سکتا۔ فرق یہ ہے کہ کسی ایک فریق کو پہنچنے والا نقصان انتظامیہ کی طرف سے کی گئی غلطی کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لیے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اسے درست کریں۔"۔
> ... عدالتوں کے حوالے سے ایک مشہور قول ہے کہ عدالت کا کوئی عمل کسی کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ پھر اس اصول کا اطلاق انتظامیہ (عوامی اہلکاروں) کے پورے نظام پر کیوں نہیں ہوتا، جس کا ایک حصہ عدالتیں بھی ہیں۔ اس نظام کی جانب سے کی گئی کوئی بھی غلطی جہاں تک

---

[67] سید حسین نصر، اسلام میں عدل کی مقدس بنیادیں۔

[68] امتیاز احمد بنام غلام علی PLD 1963 SC 382

> ممکن ہو کسی شخص کے لیے نقصان دہ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر انتخابی حکام کی غلطی کو ایک بد قسمتی سمجھا جائے تو پھر ان افسران کی بے قاعدگیوں کی بنیاد پر، جو انتخابات کا انعقاد کرتے ہیں، انتخابات منسوخ کیوں کیے جاتے ہیں؟ قانون ان بے قاعدگیوں کو ایسے واقعات کی طرح کیوں نہیں دیکھتا جو ہو چکے ہیں اور جنہیں روکا نہیں جاسکتا؟ کیونکہ یہ قانون کا مقصد نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کے حقوق عوامی اہلکاروں کی جانب سے کی گئی غلطیوں سے متاثر ہوں۔... جہاں تک ممکن ہو ہمیں فریقین کو اسی مقام پر واپس لانا چاہیے جہاں وہ انتظامیہ کی جانب سے غلطی ہونے سے قبل ہوتے ہیں۔

اگرچہ مذکورہ قانونی اصول کو معزز جج صاحب کی طرف سے اُنکے اختلافی نوٹ میں بیان کیا گیا تھا، تاہم یہ "قانون کی گہرائیوں میں موجود روح اور مستقبل کی ذہانت" کو متاثر کر چکا ہے اور جو اب ہمارے قانونی نظام میں بخوبی تسلیم کردہ اور راسخ شدہ ہے۔[69]

95۔ ہمارے نزدیک یہ اصول نہ صرف ان دو قواعد (i) *actus curiae neminem gravabit* (عدالت [عوامی عہدے دار] کا عمل کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا) اور (ii) *ex debito justitiae* (انصاف کا قرض) میں درج ہے بلکہ یہ آئین کے آرٹیکل 4 کی شقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ آرٹیکل 4 کے تحت ہر شہری اور پاکستان میں موجود ہر شخص کا یہ ناقابلِ منتقل حق ہے کہ اسے قانون کا تحفظ ملے اور اسکے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے۔ یہ ناقابلِ منتقل آئینی حق پاکستان کے تمام عوامی عہدے داروں پر ایک ناقابلِ منتقل آئینی فرض بھی عائد کرتا ہے کہ وہ ہر شہری اور پاکستان میں اس وقت موجود ہر شخص کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کریں۔ ہماری رائے میں اس آئینی حق اور اس کے متقابل آئینی فرض سے یہ اصول اُبھرتا ہے، کہ کسی شخص کا عوامی عہدے دار کے غیر قانونی عمل یا غفلت کی وجہ سے نقصان یا حق تلفی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کسی شخص کو کسی عوامی عہدے دار کے غیر قانونی عمل یا غفلت کی وجہ سے کسی حق یا منفع کا نقصان ہوتا ہے، تو انصاف کی رو سے وہ اِس حق یا منفع کی بحالی کا حق رکھتا ہے۔ تو جہاں تک ممکن ہو اسکو اسی مقام پر واپس لانا چاہیے جہاں وہ انتظامیہ کی جانب سے ہونے والے عمل یا غفلت سے قبل تھا۔

ریٹرننگ افسران اور کمیشن کے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیاں جو پی ٹی آئی کے لیے نقصان کا باعث بنیں:

96۔ موجودہ کیس میں، جیسا کہ اوپر بیان اور طے کیا گیا ہے، ریٹرننگ افسران اور کمیشن کے غیر قانونی اقدامات اور غفلت، جنہوں نے پی ٹی آئی، اس کے امیدواروں، اور اسکے ووٹروں کو پریشانی اور الجھن میں ڈالا بشمول درج ذیل کے متعدد ہیں:

(i) کمیشن کا اپنے حکم نامے مورخہ 22 دسمبر 2023 میں یہ وضاحت نہ کرنا کہ پی ٹی آئی باوجود منسوخی انٹرا پارٹی انتخابات اور عدم فراہمی انتخابی نشان کے ایک رجسٹرڈ شدہ اور فعال سیاسی جماعت ہے۔

(ii) کمیشن کا اپنے حکم نامے مورخہ 13 جنوری 2024 میں یہ وضاحت نہ کرنا کہ پی ٹی آئی ایک رجسٹرڈ اور فعال سیاسی جماعت ہے، باوجود اسکے کہ اُسے انتخابی نشان مختص نہیں کیا گیا تھا، اور یہ کہ اس کی جانب سے نامزد امیدواروں کو پورے انتخابی عمل میں پی ٹی آئی کے امیدوار کے طور پر ذکر کیا جانا چاہئے تھا، نہ کہ آزاد امیدواروں کے طور پر؛

(iii) (فارم-33) میں ریٹرننگ افسران کا پی ٹی آئی کے امیدواروں کو غلط طور پر آزاد امیدوار تحریر کرنا؛

(iv) کمیشن کی جانب سے پی ٹی آئی کے امیدوار (مسٹر راجہ) کی درخواست پر غلط فیصلہ دینا جس میں ان کا (فارم-33) میں پی ٹی آئی امیدوار کے طور پر تحریر ہونے کی درخواست کو مسترد کر دیا گیا؛

(v) کمیشن کی جانب سے سیکشن 98 کے نوٹیفکیشن میں پی ٹی آئی کے کامیاب امیدواروں کو آزاد کامیاب امیدواروں کے طور پر غلط ذکر کرنا؛

(vi) کمیشن کی جانب سے کچھ منتخب امیدواروں کے سنی اتحاد کونسل میں شمولیت کو غلط طور پر قبول کرنا، حالانکہ آئین کے آرٹیکل 51(6) کے پیراگراف (d) اور (e) اور آرٹیکل 106(3) کے پیراگراف (c) کے تحت یہ ایسی سیاسی جماعت نہیں تھی جس میں آزاد منتخب امیدوار شامل ہو سکتے تھے۔

---

[69] مینیجر، جموں وکشمیر ریاستی املاک بنام خدا یار PLD1975SC678؛ شیرین بنام فضل محمد 1995 SCMR1995؛ لدھا خان بنام بھیرانوان 2001SCMR533؛ رؤف قادری بنام ایس بی پی PLD 2002 SC1111؛ جواد میر بنام ہارون مرزا (5MB) PLD 2007 SC 472؛ ذوالفقار بنام شہادت خان پی ایل ڈی P L D 2007 S C 5 8 2؛ رضیہ جعفر بنام حکومت بلوچستان 2007 SCMR 1256؛ یاسین بنام حکومت پنجاب 2007S C M R 1 7 6 9؛ صداقت خان بنام کلکٹر لینڈ ایکوزیشن P L D 2010 SC 878(6MB)؛ اعجاز اقبال بنام فیصل آباد چیمبر آف کامرس PLD1983 Lah1 اور احمد لطیف قریشی بنام کنٹرولر امتحان PLD 1994 Lah 3.

مندرجہ بالا کے علاوہ، کمیشن کی جانب سے غیر آئینی قاعدہ بنانا یعنی انتخابات کے قواعد کے قاعدہ نمبر 94 کی وضاحت، جو کہ ایک ایسی سیاسی جماعت کو مخصوص نشستوں کے مختص کرنے سے محروم کرتی ہے جسے انتخابی نشان نہیں دیا گیا، حالانکہ اس نے عام نشستیں جیتی ہوں، اس قاعدہ نے بھی پی ٹی آئی، اُس کے امیدواروں، اور ووٹروں کے لئے الجھن اور پریشانی پیدا کرنے میں حصہ ڈالا۔ احتراماً مزید یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس عدالت کا پی ٹی آئی کے انٹرا پارٹی انتخابات کے معاملے میں 13 جنوری 2024 کو دیا گیا فیصلہ، جو عین اسی دن ہوا جس دن پارٹی سرٹیفکیٹس (پارٹی ٹکٹس) جمع کروانے اور انتخابی نشانات الاٹ کرنے کے لیے مقرر تھا، اور اس بات کی وضاحت کیے بغیر کہ اس فیصلے کا پی ٹی آئی اور اس کے امیدواروں کی انتخابی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نے بھی پی ٹی آئی، اس کے امیدواروں اور ووٹروں کے لیے الجھن اور تعصب پیدا کرنے میں حصہ ڈالا۔

<u>آئین کے آرٹیکل (3)218 کے تحت کمیشن کا دائرہ اختیار اور آئین کے آرٹیکل (1)187 کے تحت سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار:</u>

97۔ مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر، پی ٹی آئی، اس کے امیدواروں اور انتخابی حلقے کو عوامی اہلکاروں، یعنی ریٹرننگ افسران اور کمیشن کی غیر قانونی اقدامات یا غفلتوں کی وجہ سے نقصان یا تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چونکہ انہیں ان غیر قانونی کارروائیوں اور غفلت کی وجہ سے مخصوص نشستوں میں تناسبی نمائندگی کے آئینی حق سے محروم کیا گیا ہے، اس لیے وہ انصاف کے ذمہ داری کے اصول (ex debito justitiae) کے تحت اس حق کی بحالی کے مستحق ہیں اور انہیں جہاں تک ممکن ہو اُس حیثیت پر واپس لایا جائے جہاں پر وہ ایسی غیر قانونی اقدامات اور غفلتوں سے قبل تھے۔ تاہم اس صورتحال کو حل کرنے اور غلطی کو درست کرنے کے لیے آئین یا انتخابات کے قانون میں کوئی مخصوص شق یا دفعہ نہیں ہے۔

98۔ چونکہ مقننہ کسی موضوع پر قانون سازی کرتے وقت ان تمام غیر متوقع معاملات یا مسائل کی پیشگوئی نہیں کر سکتا جو عملی طور پر ایسے قانون کے نفاذ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اس لیے وہ اکثر ایسی شق شامل کرتا ہے جو ایک مخصوص اختیار کو ان غیر متوقع معاملات یا مسائل کو حل کرنے کے لیے عمومی اختیار تفویض کرتی ہے۔ انتخابات کے قانون میں ایسا عمومی اختیار کمیشن کو سیکشن 4 اور (c)8[70] کے ذریعے تفویض کیا گیا ہے۔ یہ عمومی اختیار کمیشن کو آئین کے آرٹیکل (3)218[71] کے تحت دیے گئے اختیار کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ اس عدالت نے ***Zulfiqar Bhatti***[72] مقدمہ میں بتایا کہ جب معاملہ یا مسئلہ کے حل کے لیے کوئی خاص قانونی شق موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ متذکرہ بالا قانونی اور آئینی عمومی اختیار زیرِ کار لائے جائیں گے، کمیشن کو بھی ایسا ہی کرنا تھا۔

99 ۔ اسی طرح آئین کے آرٹیکل (1)187[73] کے تحت سپریم کورٹ کے عمومی آئینی اختیار کا دائرہ بھی یہی ہے کہ یہ عدالت کی طرف سے کسی بھی ایسے معاملے میں مکمل انصاف کرنے کے لیے عمل میں لایا جائے گا اور استعمال کیا جائے گا۔ جہاں کوئی خاص قانونی شق موجود نہ ہو جو اس معاملہ یا مسئلہ سے نپٹے یا حل کرے۔[74] تاہم ایسے عمومی اختیار کا استعمال کرتے وقت، کمیشن یا عدالت کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان قانونی دفعات کی روح اور اساس کی پاسداری کریں، جو اگرچہ معاملہ یا مسئلہ کا مکمل احاطہ نہیں کرتیں لیکن اس سے قریب تر ہیں، تاکہ مقننہ کے ارادے کو کافی حد تک موثر بنایا جاسکے۔

---

[70] **<u>4. ہدایات جاری کرنے کا اختیار</u>**۔(1) کمیشن کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے ایسے ہدایات یا احکامات جاری کرنے کا اختیار ہوگا جو ضروری ہوں، بشمول کسی معاملے میں مکمل انصاف کرنے کے لیے حکم جاری کرنا جو اس کے سامنے زیر التوا ہو اور کسی شخص کی حاضری کو یقینی بنانے یا کسی دستاویز کی دریافت یا پیش کرنے کے مقصد کے لیے حکم جاری کرنا.

(2)...

(3) اس ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے جو کچھ بھی کرنا ضروری ہے، جس کے لیے کوئی شق یا کوئی جامع شق موجود نہیں ہے، وہ اس اختیار کے ذریعہ اور اس طریقے سے کیا جائے گا جیسا کہ کمیشن ہدایت دے گا۔

[71] **<u>آرٹیکل (3)218:</u>** الیکشن کمیشن کا فرض ہوگا کہ وہ انتخابات کا انعقاد کرے اور ایسے انتظامات کرے جو اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہوں کہ انتخابات ایمانداری، انصاف کے ساتھ، منصفانہ اور قانون کے مطابق ہوں، اور بدعنوان طریقوں کے خلاف حفاظت کی جائے

[72] ذوالفقار بھٹی بنام ای سی پی 2024SCMR 997.

[73] **<u>آرٹیکل (1)187:</u>** سپریم کورٹ کو دفعہ 175 کی شق (2) کے تحت یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی زیر التواء کیس یا معاملے میں مکمل انصاف کرنے کے لئے ضروری ہدایات، احکامات یا فرمان جاری کرے، بشمول کسی شخص کی حاضری کو یقینی بنانے یا کسی دستاویز کی دریافت یا پیشی کے مقصد کے لئے حکم۔

[74] Dossani Travels v. Travels Shop PLD 2014 SC 1: " [آرٹیکل (1)187 کے تحت اختیار] کی دلیل یہ دیکھائی دیتی ہے کہ ایسے حالات جو قانون کی موجودہ دفعات کے ذریعے حل نہیں کی جاسکتی اور عدالت کی طرف سے مداخلت کی طلب کرے، کہ وہ 'مکمل انصاف' کو یقینی بنانے کے لیے حکم جاری کرے۔

100۔ آئین کے آرٹیکل (1)187 کے تحت اس عدالت کو دیے گئے عمومی اختیار کو استعمال کرنے، عمل میں لانے اور موجودہ کیس میں شامل معاملے کو حل کرنے کے لیے، ہم نے اس عدالت کے چھ رکنی بڑے بینچ کی طرف سے ***Saddaqat Khan***[75] کے مقدمہ میں کیے گئے مشاہدات سے بھی رہنمائی حاصل کی ہے۔ متعدد سابقہ مقدمات کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد اس بڑے بینچ نے یہ نتیجہ اخذ کیا اور قرار دیا:

> عدالتوں کا حتمی مقصد یہ ہے کہ وہ فریقین کے درمیان مکمل انصاف کریں اور یہ یقینی بنائیں کہ حقوق ان لوگوں کو دیے جائیں جو کہ اُن کے مستحق ہیں اور کوئی بھی رکاوٹ اتنی مضبوط نہیں سمجھی جائے گی کہ وہ عدالتوں کو اس مقصد تک پہنچنے سے روکے۔ ایسے مختلف قوانین جیسا کہ قانونِ دیوانی کی دفعہ 151؛ قانونِ فوجداری کی دفعہ A-561؛ وسیع پیمانے پر نگرانی کے اختیارات بشمول سوموٹو (suo moto) زیرِ دفعہ 115 قانونِ دیوانی اور دفعہ 439 قانونِ فوجداری؛ قانونِ دیوانی کے آرڈر XLI ، قاعدہ 4 اور آرڈر XLI قاعدہ 33 میں موجود مختلف دفعات؛ 1980 کے سپریم کورٹ کے قواعد کے آرڈر XXXIII کے قاعدہ 5 کی دفعات؛ آئین کے آرٹیکل (3)184 کے تحت سوموٹو (suo moto) اختیارات اور آئین کے آرٹیکل 187 کی دفعات شامل ہیں، ایسی مثالیں ہیں جنھیں مکمل انصاف کرنے میں درپیش کسی بھی رکاوٹ کو عبور کرنے کے لیے عدالتوں کو دیا گیا ہے۔

جیسا کہ جج Kaikaus کا کہنا ہے، اور جس کو ایک بڑے بینچ نے بھی قرار دیا ہے کہ قوانین، عدالتیں اور نظامِ انصاف کے ذریعے اس مقصد کا حصول مقصود ہے کہ انصاف کرتے ہوئے یہ یقینی بنانا کہ حقوق اُن لوگوں کو ہی دیے جائیں جو اُس کے مستحق ہیں۔ انصاف ہونا چاہیے، چاہے آسمان کیوں نہ گرے (*fiat justitia, ruat caelum*) لہٰذا آئین کے آرٹیکل (1)187 کے تحت موجود اختیار کا مقصد مکمل انصاف کو یقینی بنانے کے لیے انصاف کو ترجیح دینا ہے۔

آٹھ ججوں اور تین ججوں کے درمیان نکتہ اختلاف:

101۔ آئین کے آرٹیکل (1)187 میں دیے گئے اس عدالت کے عمومی اختیار کو استعمال کرنے کی حد تک، ہم (آٹھ ججز) اور تین ججز (عزت مآب چیف جسٹس، جسٹس یحییٰ آفریدی، اور جسٹس جمال خان مندوخیل) بڑی حد تک ہم آہنگ تھے۔ بدقسمتی سے، اس مقام کے بعد، مختلف پہلوؤں پر کئی باہمی بحثوں کے باوجود، ہم اس بات پر ایک اتفاق رائے قائم نہیں کر سکے کہ موجودہ کیس میں "مکمل انصاف" کے لیے کونسی حتمی دادرسی ضروری ہوگی۔

102۔ ہم یہاں اس بات کو اجاگر کرنا چاہیں گے جو چیف جسٹس Dickson نے کینیڈا کی سپریم کورٹ کے بارے میں کہا: "کینیڈا کے لوگ (نو سپریم کورٹ کے ججز کے) نو علیحدہ ووٹوں کے حقدار نہیں ہیں۔ البتہ وہ اُن نو ووٹوں کے حقدار ہیں جن میں ہر جج نے دوسرے آٹھ ججز کے نظریات کو سنا اور دیانتداری سے سمجھا ہو"[76]۔ اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے لوگوں کو اس عدالت کے بینچ سے ایک ایسے فیصلہ ملنے کا حق ہے، جہاں ہر جج نے بینچ کے دوسرے ججز کی آراء کو سنا اور دیانتداری سے سمجھا ہو۔ ججز ضروری نہیں ہمیشہ ایک ہی نکتہ نظر رکھیں وہ اختلاف بھی کر سکتے ہیں، البتہ اختلاف کی ممکنہ صورت حال انہیں اپنی حتمی رائے دینے سے پہلے آزادانہ اور کھلی بحث میں شامل ہونے سے نہیں روکتی۔ اُن کی پیشہ ورانہ ذمہ داری ایک اچھی طرح سے سوچا سمجھا فیصلہ دینے کی ہے، جس کے لیے اُنہیں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے موقف میں موجود نقائص کو پوری دیانتداری سے بیان کرنا ضروری ہے۔ انا کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے، مزاج بگڑ سکتا ہے، پھر بھی سب کو اس عمل کو احترام اور شائستگی کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔

103۔ مذکورہ بالا اصولوں سے رہنمائی لیتے اور اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اس معاملے پر ایک بہتر غور و خوض کے ساتھ فیصلہ دینے کی ہم نے کوشش کی اور اپنے موقف کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کے موقف میں جو نقص ہم نے دیکھا، احتراماً اُن کا بھی ذکر کیا۔ ہم نے اُن کی آراء کو بھی غور سے سنا اور دل سے سمجھا۔ بدقسمتی سے، نہ تو ہم اُنہیں اپنے نکتہ نظر پر قائل کر سکے، اور نہ ہی ہم اپنے آپ کو ان کے نکتہ نظر سے اتفاق کرنے پر مجبور کر سکے۔

104۔ ہم سب (ہم آٹھ اور ہمارے تین ساتھی) اس بات پر متفق ہیں کہ ریٹرننگ افسران اور کمیشن کے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیوں کی وجہ سے، پی ٹی آئی، اس کے امیدواروں اور ووٹرز نے اپنے بعض آئینی اور قانونی حقوق، خاص طور پر مخصوص نشستوں میں تناسبی نمائندگی کے حق، میں نقصان اٹھایا ہے۔ تاہم ہم اس بات پر

---

[75] صداقت خان بنام کلیکٹر لینڈ ایکوزیشن PLD 2010 SC 878

[76] چیف جسٹس McLachlin نے اپنی تقریر (2004)'Judging in a democratic state' میں کہا۔

اختلاف رکھتے ہیں کہ ہم انصاف کی ذمہ داری (ex debito justitiae) کی روشنی میں اُن کے اس حق کی بحالی کیسے کرسکتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اُس جگہ پر واپس لاسکتے ہیں جس پر وہ ہوتے، اگر ایسے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیاں وقوع پذیر نہ ہوتیں۔

105۔ ہمارے فاضل ساتھیوں (محترم چیف جسٹس اور جسٹس جمال خان مندوخیل) نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ "وہ امیدوار جنھوں نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی میں یہ قرار دیا کہ وہ پی ٹی آئی سے تعلق رکھتے ہیں اور جنھوں نے کاغذاتِ نامزدگی واپس لینے کی آخری تاریخ سے پہلے کسی دوسری سیاسی جماعت کے ساتھ وابستگی کی کوئی دستاویز جمع نہیں کرائی، انہیں پی ٹی آئی کے منتخب امیدوار کے طور پر سمجھا جانا چاہیے تھا۔"[77] جبکہ ہمارے فاضل ساتھی (جسٹس یحیٰی آفریدی) کا خیال ہے کہ "قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے امیدوار، جس نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی میں حلفاً یہ اعلان کیا ہے کہ وہ پی ٹی آئی سے تعلق رکھتا ہے اور اُسی سیاسی جماعت کا تصدیقی سرٹیفکیٹ جمع کرایا ہے کہ وہ متعلقہ انتخابی حلقے کے لیے پی ٹی آئی کا نامزد امیدوار ہے، وہ اُسی حیثیت میں رہے گا،... جب تک کہ اُس نے الیکشن کمیشن آف پاکستان یا ریٹرننگ افسر کو ایک تحریری اعلان جمع نہیں کرایا کہ اُسے کسی دوسری سیاسی جماعت کے امیدوار یا آزاد امیدوار کے طور پر سمجھا جائے۔"[78] ہم ان کی رائے کا احترام کرتے ہیں لیکن اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

106۔ 'لفظوں کی منطق کو حقیقتوں کی منطق کے تابع ہونا چاہیے'[79]۔ بڑے احترام کے ساتھ، ہمارے فاضل ساتھیوں نے یہ فرض کیا اور تسلیم کیا کہ پی ٹی آئی کے امیدواروں نے ایک اور سیاسی جماعت پی ٹی آئی نظریاتی کے ساتھ اپنی مرضی اور حالات کی مجبوری کے بغیر اپنی وابستگی کے سند جمع کیے جن کو ریٹرننگ افسران نے الیکشن کمیشن کی ہدایت پر تسلیم نہیں کیا۔ لیکن ہمارا ضمیر اور مقدمہ کے حقائق کا ادراک ہمیں اس مؤقف کو فرض کرنے اور قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں، سوائے حالات کی مجبوری کے، کیوں ایک قومی سطح کی سیاسی جماعت (PTI) کا امیدوار جس نے ایک بار وفاقی حکومت اور دو صوبائی حکومتیں بنائی تھیں وہ اپنی پی ٹی آئی نظریاتی کی اُمیدواری کو پی ٹی آئی کی اُمیدواری پر ترجیح دے گا جس پارٹی کا نام بھی زیادہ تر ووٹرز نے نہیں سنا تھا، یا وہ (PTI) کی امیدواری کیوں چھوڑ کر خود سے اپنی مرضی سے آزاد امیدوار بن جائے گا۔ اگر یہ ایک یا دو امیدواروں کا معاملہ ہوتا تو ہم ایسا ہونے پر اُن کی آزاد مرضی کے امکان کا تصور کرسکتے تھے۔ ہم کسی بھی صورت یہ فرض نہیں کرسکتے، ماسوائے حالات کی مجبوریوں کے جو عوامی عہدہ داروں، ریٹرننگ افسران اور کمیشن کے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیوں سے پیدا ہوئے ہیں، کہ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے سینکڑوں امیدواروں نے اپنی مرضی سے یہ طریقہ اپنایا۔ اسی وجہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ بعد میں پی ٹی آئی نظریاتی کے امیدواروں یا آزاد امیدواروں کی حیثیت سے پیش کردہ اقرارنامہ جات کے باوجود، کمیشن کی پیش کردہ 80 اُمیدواروں کی فہرست میں سے 39 کامیاب امیدوار، جنھوں نے یا تو پی ٹی آئی کے پارٹی سرٹیفکیٹ (پارٹی ٹکٹ) جمع کروائے تھے یا اپنے نامزدگی فارموں یا قانونی بیانات / حلف ناموں میں پی ٹی آئی کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کی تھی، وہ پی ٹی آئی ہی کے کامیاب امیدوار ہیں۔

107۔ یہی معاملہ اُن امیدواروں کا ہے جن کو ہمارے فاضل ساتھیوں نے آزاد جیتنے والے امیدواروں کے طور پر جانا کیونکہ انھوں نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی میں اپنا تعلق پی ٹی آئی سے نہیں بتایا تھا۔ ان امیدواروں کے متعلق، جن کی تعداد کمیشن کے پیش کردہ ریکارڈ کے مطابق 41 ہے، ہمارے فاضل ساتھیوں نے قیاس کیا ہے کہ وہ آزاد امیدوار تھے کیونکہ اُن میں سے کوئی بھی اس مفروضے کی تردید کے لیے عدالت میں پیش نہیں ہوا۔

108۔ ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے یہ سمجھنے کی بہت کوشش کی کہ ایک پارلیمانی جمہوریت میں، جو سیاسی جماعتوں کے نظام پر مبنی ہے، جیسا کہ اس عدالت نے *Benazir Bhutto* کیس میں وضاحت کی، کس طرح اتنی بڑی تعداد میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کے امیدوار آزاد حیثیت میں ووٹرز کا اعتماد حاصل کرسکتے ہیں اور آزاد حیثیت میں جیت سکتے ہیں۔ کمیشن اور دیگر فریقین کی جانب سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب ہمارے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ سنی اتحاد کونسل اور پی ٹی آئی کا یہ دعویٰ کہ وہ بھی پی ٹی آئی کے امیدوار تھے اور ووٹرز نے اُن کے پی ٹی آئی امیدوار ہونے کی وجہ سے انہیں ووٹ دیا اگرچہ تسلی بخش معلوم ہوتا ہے

[77] پیرا 5 فاضل جج کے مختصر حکم کا۔

[78] پیرا (i)(2) فاضل جج کے مختصر حکم کا

[79] دی سینٹو بنام پنسلوانیا 34 US 273 [1927] جج برینڈیس کے مطابق جس کا جموں و کشمیر ریاست بنام خدایار PLD 1975 SC 678 میں بھی حوالہ دیا گیا ہے ۔

لیکن ہمارے سامنے موجود ریکارڈ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ سب سے پیچیدہ معاملہ ہے جس میں قانون اور انصاف کے تقاضوں کا ترازو منصفانہ اور معقول حد تک متوازن ہونا چاہیے۔

109۔ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں کہ وہ کامیاب امیدوار، ہمارے فاضل ساتھیوں کی طرف سے قبول کیے گئے مفروضے کو رد کرنے کے لیے، ہمارے سامنے پیش نہیں ہوئے ہیں، کیونکہ ہم نے دیکھا کہ وہ سنی اتحاد کونسل کے ذریعے ہمارے سامنے ہیں۔ حقائق سے متعلق سنی اتحاد کا جو مؤقف ہے وہی کامیاب امیدواروں کا بھی ہے۔ سنی اتحاد کونسل ہمارے سامنے اُن ہی کی بات کرتا ہے۔ SIC اور PTI دونوں نے وہی حقائق اور حالات بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے کاغذات نامزدگی میں آزاد امیدواروں کی حیثیت سے اُن کا ذکر کیا گیا۔ دونوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ بھی پی ٹی آئی کے امیدوار تھے اور ووٹرز نے انہیں پی ٹی آئی کے امیدوار ہونے کی وجہ سے ووٹ دیا۔ انہیں اپنی انفرادی حیثیت میں ووٹرز کی ایسی انتخابی حمایت حاصل نہیں تھی۔

110۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، آئین کے آرٹیکل (3)218 اور آرٹیکل (1)187 کے تحت بالترتیب اپنے عمومی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے، کمیشن اور اس عدالت کو قانون کی ان دفعات کی روح اور اساس کی پاسداری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اگرچہ براہ راست اس معاملے یا مسئلے کا احاطہ نہیں کرتی ہیں، لیکن اس سے قریبی طور پر متعلق ہیں، تاکہ مقننہ کے ارادے کو زیادہ سے زیادہ حد تک موثر بنایا جاسکے۔ انتخابات ایکٹ کے سیکشن 66 کے مطابق، دو عناصر کسی شخص کو سیاسی جماعت کا امیدوار بناتے ہیں (i) :امیدوار کا اپنی جماعت سے تعلق کا اعلان، اور (ii) جماعت کا اس کی نامزدگی کا سرٹیفکیٹ (جماعت کا ٹکٹ)۔ اس طرح یہ امیدوار اور اُس جماعت کے درمیان ایک معاملہ ہے جس سے وابستگی کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ اس تعلق اور امیدوار کی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے کسی تیسرے شخص یا اتھارٹی کی رضامندی یا اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی انتخابات ایکٹ کے سیکشن 66 کی روح اور اساس ہے۔

111۔ لہٰذا، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کی تصدیق ہونی چاہیے اور اس کے بعد انتخابات ایکٹ کے سیکشن 66 کی روح اور اساس کی پاسداری کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جانا چاہیے، تاکہ مقننہ کے ارادے کو ممکن حد تک مؤثر بنایا جاسکے۔ اتنے اہم معاملے کا فیصلہ، جو کہ بنیادی طور پر لاکھوں ووٹرز کے ووٹ کے حق اور حیثیت سے متعلق ہے، محض مفروضوں، قیاس آرائیوں یا زبانی بیانات کی بنیاد پر نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ اس حقیقت کا تعین ٹھوس اور مخصوص مواد کے ساتھ کیا جانا چاہیے یعنی (i) متعلقہ کامیاب امیدوار کا تحریری بیان (اعلان) اور (ii)PTI کی جانب سے اس کی تحریری تصدیق (سند)۔ جب کامیاب امیدواروں کے تحریری بیانات اور PTI کی جانب سے اس کے de facto (حقیقی) یا de jure (قانونی) چیئرمین کے ذریعے تحریری تصدیق جمع کروائی جائے گی، تو 41 کامیاب امیدواروں کی حیثیت فوری طور پر اور ipso facto (بلحاظ حقیقت) قانونی طور پر طے ہو جائے گی، اور اس کے بعد کوئی بھی عمل اس حیثیت کو تبدیل نہیں کرے گا، جو بیانات (اقرار نامہ جات) اور تصدیق نامے (اسناد) جمع کروانے کے بعد ماضی کا طے اور ختم شدہ معاملہ بن جائے گا۔ نہ تو کامیاب امیدوار اور نہ ہی PTI بعد میں اس مؤقف سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح کیا جاتا ہے کہ یہ تصدیق کا عمل صرف یہ تعین کرنے کے لیے ہے کہ آیا مذکورہ 41 کامیاب امیدوار واقعی PTI کے کامیاب امیدوار تھے، اور یہ ہرگز بھی انہیں آزاد کامیاب امیدوار تسلیم کرنے اور آئین کے آرٹیکل (6)51 کی شق (d) اور (e) کے تحت کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونے کا مزید موقع دینے کے مترادف نہیں ہے۔ جب ان کی حیثیت مطلوبہ بیانات اور تصدیق جمع کروانے پر طے کر لی جائے گی، تو انہیں سرکاری گزٹ میں اُن کے ناموں کی اشاعت کی تاریخ سے PTI کے کامیاب امیدواروں کے طور پر سمجھا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں انہیں اس تاریخ سے جب انہوں نے قومی اسمبلی کے ارکان (MNAs) کے طور پر حلف اٹھایا۔ قومی اسمبلی میں، تمام آئینی اور قانونی مقاصد کے لیے PTI کی پارلیمانی پارٹی کے ارکان کے طور پر شمار کیا جائے گا۔

112۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، کمیشن کی آئین کے آرٹیکل (3)218 کے تحت عمومی اختیارات، انتخابات ایکٹ کے سیکشن 4 اور 8 کے ساتھ مل کر، اس عدالت کے آئین کے آرٹیکل (1)187 کے تحت عمومی اختیارات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لیے، موجودہ کیس میں کمیشن کو چاہیے تھا کہ وہ متنازعہ حکم کے ذریعے، سیکشن (1)4 کے الفاظ میں، "ایسی ہدایات یا احکامات جاری کرے جو اس کے افعال اور ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے ضروری ہوں، بشمول کسی معاملے میں مکمل انصاف کرنے کا حکم"؛ یا، دفعہ (c)8 کے الفاظ میں، "ایسی ہدایات جاری کرے، ایسے اختیارات استعمال کرے اور ایسے نتیجہ خیز احکامات دے جو اس کی رائے میں، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہوں کہ انتخابات ایمانداری، انصاف اور منصفانہ طور پر منعقد ہوں"؛ یا، آرٹیکل (3)218 کے الفاظ میں، "ایسے انتظامات کرے جو اس بات کو یقینی بنائیں کہ انتخابات ایمانداری، انصاف اور منصفانہ طور پر منعقد ہوں"۔ تاہم، کمیشن نے ایک بار پھر غیر قانونی غفلت کا مظاہرہ کیا جب اُس نے اپنے مذکورہ عمومی اختیارات کا استعمال کرنے میں ناکامی دکھائی تاکہ اپنے پہلے کے غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیوں کے اثرات کو ختم کرے اور پی ٹی آئی کو اس کے آئینی حق کے طور

پر ایک پارلیمانی پارٹی کی حیثیت سے بحال کر سکے، اور جیتی ہوئی عمومی نشستوں کے تناسب سے مخصوص نشستوں کا حق دے سکے۔ اس طرح، پی ٹی آئی کو ممکنہ حد تک اسی مقام پر لانے کی کوشش کی جاتی، جہاں وہ ہوتی اگر یہ غیر قانونی اقدامات اور کوتاہیاں وقوع پذیر نہ ہوتیں۔ سابقہ غیر قانونی اقدامات اور غفلتیں، نیز مذکورہ غیر قانونی غفلت، کمیشن کے متنازعہ حکم کو آئین کے خلاف، بغیر قانونی اختیار کے اور کسی بھی قانونی اثر سے عاری بناتی ہیں۔

کمیشن بطور "ضامن" جمہوری عمل، اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے:

113۔ ہم اس بات پر زور دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ کمیشن، ایک آئینی "انتخابی انتظامی ادارہ" کے طور پر، محض ایک انتظامی ادارہ نہیں ہے بلکہ جمہوری عمل کا ایک بنیادی "ضامن ادارہ" ہے، جس کی آئینی حیثیت "حکومت کی چوتھی شاخ" کی طرح ہے۔[80] جمہوری انتخابی عمل کے مرکزی ستون کے طور پر، کمیشن کو ایک ضامن ادارے اور غیر جانبدار نگران کے طور پر یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ انتخابات کی شفافیت اور انصاف کو یقینی بنائے تاکہ عوام کا انتخابی نظام پر اعتماد برقرار رہے۔ یہ منتخب نمائندوں کی قانونی حیثیت اور سیاسی نظام کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ کمیشن کو جمہوری اصولوں اور انتخابی عمل کی سالمیت کو برقرار رکھنا چاہیے تاکہ انتخابات واقعی عوام کی مرضی کی عکاسی کریں، اسی طرح قوم کے جمہوری ڈھانچے کو محفوظ رکھا جاسکے۔ بدقسمتی سے، موجودہ کیس کے حالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کمیشن سال 2024 کے عام انتخابات میں اس کردار کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔

114۔ ایک اور معاملہ جس نے ان اپیلوں کی سماعت کے دوران ہمیں حیران کیا، وہ یہ ہے کہ کس طرح کمیشن نے بطور بنیادی فریق SIC اور PTI کے خلاف اس مقدمے میں حصہ لیا اور مقدمہ لڑا۔ ہمیں اس بات کا ادراک ہے کہ آئین کے آرٹیکل (3)218 کے تحت کمیشن کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ 'انتخابات کا انتظام کرے اور اس کو منعقد کرے اور ایسے انتظامات کرے جو ضروری ہیں تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ انتخابات ایمانداری، انصاف، غیر جانبداری اور قانون کے مطابق منعقد ہوں اور بدعنوانی کے اقدامات سے محفوظ ہوں' ۔ جیسا کہ اس عدالت نے ***Aam Log Itehad***[81] کے مقدمے میں قرار دیا ہے۔ یہ کام بنیادی طور پر انتظامی ہے، نہ کہ عدالتی یا نیم عدالتی۔ تاہم، جیسا کہ اس مقدمے میں سامنے آیا کہ کمیشن کچھ نیم عدالتی فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ موجودہ مقدمے میں، مختلف سیاسی جماعتوں نے متنازعہ مخصوص نشستوں پر اپنے حق کے لیے دعوے کیے، اور کمیشن نے ان دعووں کو ایک عدالتی ادارے کی حیثیت سے نمٹایا۔ اس لیے، موجودہ مقدمے میں کمیشن کا انجام دیا گیا کام نیم عدالتی تھا۔ اور جیسا کہ اس عدالت نے *Wafaqi Mohtasib*[82] اور *A. Rahim Foods*[83] کے مقدمات میں قرار دیا ہے، کہ ایک ادارہ جو دو حریف فریقین کے درمیان اپنے نیم عدالتی فرائض انجام دے رہا ہو، اسے کسی اعلیٰ فورم یا کسی مجاز عدالت کے ذریعہ اُس کے فیصلے کو کالعدم یا تبدیل کرنے پر فریق متاثرہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس طرح کے ادارے کو اعلیٰ فورم یا عدالت کے فیصلے کو چیلنج کرنے کا قانونی حق (locus standi) نہیں ہوتا۔ مزید برآں، ایسا ادارہ کسی ایک حریف فریق کی جانب سے اُس کے نیم عدالتی فیصلے کے خلاف دائر اپیل میں بنیادی فریق کے طور پر حصہ نہیں لے سکتا۔ موجودہ معاملے میں، کمیشن ایک مناسب فریق تھا تاکہ عدالت کی مکمل اور موثر فیصلہ سازی میں مدد کر سکے اور کیس میں شامل تمام سوالات کو حل کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اسے اسی طریقے سے کام کرنا چاہیے تھا، نہ کہ بطور ضروری متنافس فریق۔

115۔ جہاں تک پشاور ہائی کورٹ کے زیر اعتراض فیصلے کا تعلق ہے، ہم جانتے ہیں، جیسا کہ اس عدالت نے ***Dossani Travels***[84] کیس میں فیصلہ دیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت ہائی کورٹس کے اختیارات کے حدود اور دائرہ کار اتنے وسیع نہیں جتنا کہ آئین کے آرٹیکل 187 کے تحت سپریم کورٹ کے اختیارات ہوتے ہیں، تاکہ وہ مکمل انصاف کے لیے ایسے احکامات یا فیصلے جاری کر سکے جو اس کے سامنے زیر سماعت کسی مقدمے یا معاملے میں ضروری ہوں۔ اور نہ ہی ہائی کورٹس کے پاس ایسے عمومی آئینی اختیارات ہیں جو کہ کمیشن کے پاس آئین کے آرٹیکل (3)218 کے تحت موجود ہیں تاکہ انتخابات کو ایمانداری، انصاف اور غیر جانبداری کے

---

[80] مائیکل پال، حکومت کی چوتھی شاخ کے طور پر انتخابی انتظامی ادارے، آئینی مطالعات کا جائزہ (جلد 21، شمارہ 1، 2016)۔ بروس ایکرمین، دی نیو سیپریشن آف پاورز (2000) 113:3 ہارورڈ لاء ریویو 633 اور تروناب کھٹیان، گارنٹر انسٹی ٹیوشنز، ایشین جرنل آف کمپریٹیو لاء (کیمبرج یونیورسٹی پریس 2021) بھی دیکھیں۔

[81] عام لاگ اتحاد بنام الیکشن کمیشن PLD 2022 SC 39

[82] وفاقی محتسب بنام PLD 2020 SC 586 SNGPL

[83] اے۔ رحیم فوڈز بنام PLD 2023 SC 516 K&N.

[84] دوسانی ٹریولز۔ بنام ٹریول شاپ PLD 2014 SC 1

ساتھ یقینی بنایا جاسکے۔ لہذا، پی ٹی آئی کی درخواست کے بغیر، ہائی کورٹ وہ حکم نہیں دے سکتی تھی جو ہم نے دیا ہے، یا وہ حکم جو کمیشن انصاف کی تکمیل اور انتخاب کو ایمانداری، انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ یقینی بنانے کے لیے دے سکتا تھا، تاہم، وہ کام جو پشاور ہائی کورٹ اس کیس میں کر سکتی تھی، لیکن کرنے میں ناکام رہی، وہ یہ تھا کہ معاملے کو کمیشن کو واپس بھیج کر یہ ہدایت دیتی کہ کمیشن آئین کے آرٹیکل 218(3) اور انتخابات ایکٹ کی شقوں 4 اور 8 کے تحت جو کرنے کا پابند ہے، وہ کرے۔

116۔　جہاں تک قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کی کارروائیوں کا تعلق ہے، جن میں متنازعہ مخصوص نشستوں پر کمیشن کے متنازعہ حکم کے تحت منتخب ہونے والے اراکین نے حصہ لیا، تو اُن تمام کاروائیوں کو آئین کے آرٹیکلز 67 اور 127[85] کے تحت تحفظ حاصل ہے، اور انہیں ان ضمنی کارروائیوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی نے ہمارے سامنے قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلیوں کی ایسی کوئی کارروائی رکھی جسے متنازعہ مخصوص نشستوں پر منتخب ہونے والے اراکین کی عدم شمولیت کی وجہ سے کامیابی سے انجام نہ دیا جاسکا۔ مزید، جیسا کہ اس عدالت نے[86] ***Raja Amir*** کیس میں قرار دیا، کہ وہ اعمال جو اپنے انجام دیئے جانے کے وقت معروضی قانونی موقف کے مطابق ہوں، عام طور پر انہیں 'طے اور مکمل شدہ معاملات' کے اصول کے تحت تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ لہذا، قومی اسمبلی اور متعلقہ صوبائی اسمبلیوں کی اُن کارروائیوں کو محفوظ رکھنے کے لیے، جو کامیابی سے انجام دی جاسکتی تھیں چاہے متنازعہ مخصوص نشستوں پر منتخب ہونے والے ارکان نے ان میں حصہ نہ لیا ہو، کمیشن کے نوٹیفکیشنز، جن کے تحت ان ارکان کو متنازعہ مخصوص نشستوں پر کامیاب امیدوار قرار دیا گیا تھا، 6 مئی 2024 سے منسوخ کیے جاتے ہیں، جو کہ وہ تاریخ ہے جب اس عدالت نے کمیشن کے زیر اعتراض حکم کو معطل کیا تھا۔

پی ٹی آئی عدالت کے سامنے ہے:

117۔　آخر میں، ہم کچھ الفاظ کہنا چاہتے ہیں تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ پی ٹی آئی، جسے اس کیس میں ریلیف دیا گیا ہے، ہمارے سامنے اس کیس میں فریق بننے کے لیے ایک درخواست کے ساتھ موجود ہے۔ عام دیوانی مقدمات کے طریقہ کار کے مطابق، اس سے پہلے کہ اُسے کیس میں کوئی ریلیف دیا جائے فریق بننے کی درخواست پہلے منظور کی جاتی ہے اور درخواست گزار کو باضابطہ طور پر کیس میں فریق بنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس فیصلے کے ابتدائی حصے میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کیس ایک عام دیوانی مقدمہ نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی اہم نوعیت کا مقدمہ ہے جس میں جمہوریت جو کہ آئین کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، اور جہاں عوام کے لیے انتظامی اداروں اور قانون ساز اداروں کے چناو کے حق کو محفوظ کرنا، اس کو تحفظ دینا اور اس کا دفاع کرنا شامل ہے۔ پی ٹی آئی کی درخواست کو پہلے قبول کرنے اور پھر اسے ریلیف دینے کی رسمی کاروائی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی بلخصوص جہاں عدالت کو عوام (ووٹرز) کے حق رائے دہی کے تحفظ سے غرض ہو، جو آئین کے آرٹیکلز 17(2) اور 19 کے تحت ضمانت شدہ ہے، نہ کہ کسی سیاسی جماعت کے حق کے طور پر—خواہ وہ ایس آئی سی ہو، پی ٹی آئی ہو یا کوئی اور جماعت۔ حقیقتاً اس قسم کے مقدمات میں عوام کے حقوق زیر غور ہوتے ہیں، نہ کہ صرف اُن فریقین کا مدعا جو عدالت کے سامنے ہوتا ہے۔ جج *Kaikaus* کہتا ہے کہ 'کسی بھی نظام انصاف کے عمل میں طریقہ کار کا درست درجہ یہ ہے کہ وہ عوام کو اُن کے حقوق دلانے میں مدد کرے، نہ کہ اس میں رکاوٹ بنے۔'[87] علاوہ ازیں، جیسا کہ اس عدالت نے کئی مقدمات میں فیصلہ دیا، اس عدالت کو مکمل انصاف فراہم کرنے میں[88] آئین کے آرٹیکل 187(1) کے تحت اپنے عمومی اختیارات کے استعمال میں عدالت ہذا کے لیے کوئی تکنیکی یا عملی طریقہ کار رکاوٹ نہیں بنتا اور نہ ہی عدالت کے اس اختیار کے استعمال کا انحصار کسی فریق کی درخواست پر ہوتا ہے۔

118۔　جس تناظر میں ہم نے موجودہ کیس کو دیکھا اور نمٹایا ہے اُس میں محترمہ کنول شوذب کی درخواست (CMA 3554/2024) جو قومی اسمبلی میں خواتین کے لیے مخصوص نشستوں پر پی ٹی آئی کی امیدوار ہونے کے دعویٰ سے متعلق ہے، کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ہم یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر اُن کے وکیل کو سنا، کیونکہ آئینی دفعات کی تشریح سے متعلق اہم سوالات شامل تھے، لیکن وہ اس کیس میں ضروری فریق نہیں ہیں۔ ہماری پختہ

---

[85] **آرٹیکل 67.(1)** موضوع کو آئین، ایک گھر ہو سکتا ہے ریگولیٹ کرنے کے لئے 2 اصول بنائیں اس کا طریقہ کار اور اس کے کاروبار کا طرز عمل، اور اسے کسی کے باوجود عمل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ خالی جگہ اس کی رکنیت میں، اور کوئی بھی میں کارروائی دی گھر کرے گا نہ ہو پر غلط دی اس کی بنیاد کچھ افراد ڈبلیو ایچ او تھے حقدار نہیں کو کرو تو بیٹھا، ووٹ دیا یا بصورت دیگر کارروائی میں حصہ لیا۔

[86] راجہ عامر بنام فیڈریشن کی پاکستان، جج سید منصور علی شاہ، کے مطابق، متفق اکثریت کے ذریعہ (اس معاملے میں بہت سے سابقہ معاملات کا حوالہ دیا گیا ہے)۔ 2024 SCP 91

[87] امتیاز احمد بنام غلام علی PLD 1963 SC 382

[88] مارٹن ڈاؤ مارکر لمیٹڈ بنام اسد اللہ خان 2020 SCMR 2147 اور اسٹیٹ بنام الف رحمان 2021 SCMR 503 (ان دو کیسز میں بہت سے سابقہ کیسز کا حوالہ دیا گیا ہے)۔

رائے ہے کہ خواتین یا غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں پر انتخاب لڑنے والا یا منتخب امیدوار اس تنازعہ میں ضروری فریق نہیں ہے۔ بلخصوص جہاں یہ فیصلہ کرنا ہو کہ کون سی سیاسی جماعت اور کس تناسب سے مخصوص نشستوں کی حق دار ہے۔ سیاسی جماعت کی جانب سے مخصوص نشستوں کے لیے نامزد کیے گئے افراد یا ان نشستوں پر منتخب ہونے والے افراد کو ان نشستوں پر ذاتی حق حاصل نہیں ہوتا۔ یہ عوام کا حق ہے، جو آئین کے آرٹیکلز 17(2) اور 19 کے تحت ضمانت شدہ ہے، کہ انہیں مخصوص نشستوں پر سیاسی جماعتوں کے ذریعے متناسب نمائندگی حاصل ہو، نہ کہ اس فرد کے ذریعہ جو کہ ان نشستوں کے لیے نامزد یا منتخب ہوا ہو۔

119۔ یہ ہمارے 12 جولائی 2024 کے مختصر حکم کی تفصیلی وجوہات ہیں، جنھیں ریکارڈ کی تکمیل کے لیے یہاں دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے:

حکم:

ججز صاحبان: سید منصور علی شاہ، منیب اختر، محمد علی مظہر، عائشہ اے ملک، اطہر من اللہ، سید حسن اظہر رضوی، شاہد وحید اور عرفان سعادت خان:

تفصیلی وجوہات کے تابع جو بعد میں تحریر کی جائیں گی جن میں امتداد، وضاحت یا کسی دیگر انداز سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے، ان اپیلوں کا فیصلہ درج ذیل انداز میں کیا جاتا ہے

1۔ معزز عدالت عالیہ کا فل بینچ کا مورخہ 25.03.2024 کا زیرِ اعتراض فیصلہ اس حد تک منسوخ کیا جاتا ہے جس حد تک وہ حکم ھذا سے متصادم ہے یا تفصیلی وجوہات سے متصادم ہو سکتا ہے۔

2۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان ("کمیشن") کا مورخہ 01.03.2024 کے حکم (**"زیر اعتراض حکم"**) کو آئین سے متصادم، بِلا قانونی اختیار اور کسی قانونی اثر سے عاری قرار دیا جاتا ہے۔

3۔ وہ نوٹیفکیشنز: (مختلف تاریخوں کے) جن کے ذریعے اُن میں مذکورہ افراد کو (جو کمیشن کے نوٹیفکیشن نمبر F.5(1)/2024-Cord مورخہ 13.05.2024 میں ظاہر کیے گئے ہیں) قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں پر منتخب امیدوار قرار دیا گیا ہے، ان کو آئین کے متصادم، بِلا قانونی اختیار اور قانونی اثر سے عاری قرار دیا جاتا ہے، اور انہیں مورخہ 06.05.2024 سے کالعدم قرار دیا جاتا ہے، جو کہ اس عدالت کے CPLA نمبر 1328-9/2024 میں عبوری حکم جاری کرنے کی تاریخ ہے۔ جو بعد ازاں زیرِ سماعت اپیلوں کی دائری کا پیش خیمہ بنی۔

4۔ قرار دیا جاتا ہے کہ انتخابی نشان کی عدم موجودگی یا اس کو دینے سے انکار، کسی بھی صورت میں کسی سیاسی جماعت کے آئینی اور قانونی حقوق کو متاثر نہیں کرتا، اور ایسی جماعت کو انتخابات (چاہے وہ عام انتخابات ہوں یا ضمنی) میں حصہ لینے اور اپنا امیدوار کھڑے کرنے کا حق حاصل ہے اور کمیشن کا آئینی فریضہ ہے کہ وہ اسی مطابق نا صرف عمل کرے بلکہ تمام قانونی دفعات کی تشریح اور اطلاق بھی کرے۔

5۔ قرار دیا جاتا ہے کہ آئین کی دفعہ 51 کی شق (6) کے پیراگراف (d) اور (e) ("آرٹیکل 105 پروویژنز") اور آرٹیکل 106 کی شق (3) کے پیراگراف (c) ("آرٹیکل 106 پروویژنز") کے مقاصد اور مفہوم کے تحت، پاکستان تحریک انصاف ("پی ٹی آئی") ایک سیاسی جماعت تھی اور ہے، جس نے 2024 کے عام انتخابات میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں عام نشستیں حاصل کیں یا جیتیں (یہ دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کے متبادل ہیں) جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔

6۔ ان اپیلوں کی سماعت کے دوران، مورخہ 27.06.2024 کو، کمیشن کے وکیل نے عدالت کے سامنے ایک فہرست ("فہرست") پیش کی جس میں 80 کامیاب امیدواروں کے بارے میں تفصیلات دی گئی تھیں، (جواب MNAs ہیں)۔ وکیل نے واضح طور پر بیان دیا کہ کمیشن اس فہرست میں فراہم کردہ ڈیٹا پر قائم ہے۔ بلخصوص فہرست میں تین کالم یوں تھے "(i): (نامزدگی فارم پر) اقراری بیان اور نامزد کردہ شخص کا حلف نامہ (یعنی 'میں اس جماعت سے ہوں)؛ (ii) الیکشن ایکٹ 2017 کے سیکشن 66 کے تحت سیاسی جماعت کے ساتھ وابستگی کا سرٹیفکیٹ؛ اور (iii) قانونی اقرار نامہ / بیان حلفی معہ دفعہ 66 کا سرٹیفکیٹ"۔

7 ۔ 2024 کے عام انتخابات کے مخصوص حالات اور حقائق کے مد نظر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مذکورہ 80 کامیاب امیدوار (جواب MNAs ہیں)۔ میں سے وہ (کل 39، جن کی تفصیلات اس حکم کے ضمیمہ A میں دی گئی ہے) جن کے بارے میں کمیشن نے فہرست میں دیے گئے کسی بھی کالم میں "پی ٹی آئی" دکھایا ہے، وہ مزکورہ بالا پیرا 51 اور ارٹیکل 105 کی روسے پی ٹی آئی کے کامیاب امیدوار تھے اور ہیں جن کی نشستیں پی ٹی آئی کی طرف سے جیتی گئی نشستیں تھی اور ہیں۔

8۔ 2024 کے عام انتخابات کے مخصوص حالات اور حقائق کے پیش نظر، مزید حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ 80 میں سے باقی 41 کامیاب امیدواروں میں سے کوئی بھی (جن کی تفصیلات اس حکم کے ضمیمہ B میں دی گئی ہیں) حکم ھذا کی تاریخ سے 15 دفتری دنوں کے اندر ایک دستخط شدہ اور نوٹرائیزڈ شدہ (Notarized) بیان جمع کروا سکتا ہے، جس میں یہ ذکر ہو کہ اس (مرد) یا (خاتون) نے کس سیاسی جماعت کے امیدوار کے طور پر عام انتخابات میں حصہ لیا ہے۔ اگر کوئی ایسا بیان جمع کروایا جاتا ہے تو کمیشن فوراً، لیکن زیادہ سے زیادہ 7 دنوں کے اندر، متعلقہ سیاسی جماعت کو نوٹس دے گا کہ وہ 15 دفتری دنوں کے اندر اس بات کی تصدیق جمع کرائے کہ اُس امیدوار نے عام انتخابات میں اُس سیاسی جماعت کی طرف سے بطور امیدوار حصہ لیا تھا۔ کسی سیاسی جماعت کے مذکورہ بیان جمع کرانے کے بعد اسکو کسی بھی وقت اسکی تصدیق جمع کرانے کا حق حاصل ہو گا۔ اگر ایسا بیان جمع کرایا جائے اور متعلقہ سیاسی جماعت کی طرف سے تصدیق دی جائے تو اس امیدوار کی حاصل کردہ نشست فوراً اس سیاسی جماعت کی نشست کے طور پر شمار کی جائے گی۔ جیسا کہ پیرا 51 میں آرٹیکل 51 کی دفعات کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ کمیشن فوراً ایک فہرست جاری کرے گا اور اپنی ویب سائٹ پر آویزاں کرے گا جس میں کامیاب امیدواروں (جواب ہیں MNAs) اور ان نشستوں کا ذکر ہو گا جن پر یہ پیرا لاگو ہوتا ہے، اور وہ اس تاریخ کے 7 دن کے اندر ہو گا جس پر سیاسی جماعت اپنی تصدیق جمع کرتی ہے اور ساتھ ہی عدالت میں ایک عمل درآمد کی رپورٹ بھی داخل کرے گا۔

9 ۔ اس حکم کے پیرا 5 کے مقاصد کے لحاظ سے جو آرٹیکل 51 کے دفعات سے متعلق ہے، پی ٹی آئی کی طرف سے حاصل کردہ عام نشستوں کی تعداد پیرا 7 اور پیرا 8 (اگر کوئی ہو تو) کے مطابق قرار دی جانے والی نشستوں کا مجموعہ ہو گی۔ پی ٹی آئی قومی اسمبلی میں خواتین اور اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں کے حصول کی حق دار ہو گی۔ پی ٹی آئی اس حکم کی تاریخ کے 15 دفتری دنوں کے اندر ان مخصوص نشستوں کے لیے امیدواروں کی فہرستیں جمع کروائے گی، اور الیکشن ایکٹ 2017 ("ایکٹ") کی دفعات (خاص طور پر دفعہ 104) اور الیکشن کے قواعد 2017 ("قواعد") ان فہرستوں پر اس طرح لاگو کیے جائیں گے کہ یہ حکم مکمل طور پر مؤثر ہو سکے۔ کمیشن، قومی اسمبلی میں خواتین اور اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں میں سے، جن پر اس حکم کا پیراگراف 3 لاگو ہوتا ہے، آرٹیکل 51 کی شرائط کے مطابق، پی ٹی آئی کی جانب سے جمع کرائی گئی (یا جمع کرائی جانے والی، جیسا بھی معاملہ ہو) فہرستوں سے اُتنے امیدواروں کو منتخب شدہ قرار دے گا جو اس حکم کے پیراگراف 7 اور 8 کے تحت اس کی حاصل کردہ عام نشستوں کے تناسب سے مطابقت رکھتے ہوں۔

10۔ مذکورہ بالا پیرائے آرٹیکل 106 کی شقوں کے مقاصد کے لیے متوازن طور (mutatus mutandis) پر خیبر پختونخوا، پنجاب اور سندھ صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں کے بارے میں لاگو ہوں گے (جیسا کہ اوپر پیرا 51 میں بیان کیا گیا ہے)، اور جس پر اس حکم کے پیرا 3 کا ابھی اطلاق ہوتا ہے۔ اگر کمیشن یا پی ٹی آئی کو اس پیرا کو مکمل طور پر نافذ کرنے کے لیے کسی وضاحت یا حکم کی ضرورت ہو تو اسے فوری طور پر عدالت میں ایک مناسب درخواست دے کر استدعا کرنی ہو گی، جسے اکثریتی ججز کے سامنے چیمبر میں ایسے احکامات اور ہدایات کے لیے پیش کیا جائے گا جسے مناسب سمجھا جائے گا۔

ضمیمہ-A

(الیکشن کمیشن کے ڈیٹا سے تصدیق شدہ اُن اُمیدواروں کے نام جو پاکستان تحریک انصاف سے وابستہ ہیں 89)

نمبر	نمبر اور انتخابی حلقہ کا نام	امیدوار کا نام
1	NA-2 (سوات-1)	امجد علی خان

2	NA-3 (سوات-11)	سلیم رحمان
3	NA-4 (سوات-III)	سہیل خان
4	NA-6(لوئر دیر۔1)	محمد بشیر خان
5	NA-7(لوئر دیر۔II)	محبوب شاہ
6	NA-9(مالاکنڈ)	جنید اکبر
7	NA-17(ایبٹ آباد۔II)	علی خان جدوین
8	NA-19(صوابی۔I)	اسد قیصر
9	NA-20(صوابی ۔II)	شہرام خان
10	NA-21(مردان۔I)	مجاہد علی
11	NA-24(چارسدہ۔I)	انور تاج
12	NA-25(چارسدہ۔II)	فضل محمد خان
13	NA-29(پشاور۔II)	ارباب عامر ایوب
14	NA-30(پشاور۔III)	شاندانہ گزار خان
15	NA-31(پشاور۔IV)	شیر علی ارباب
16	NA-32(پشاور۔V)	آصف خان
17	NA-33(نوشہرہ۔I)	سید شاہاحد علی شاہ
18	NA-38(کرک۔	شاہد احمد
19	NA-39(بنوں۔	نسیم علی شاہ
20	NA-41(لکی مروت۔	شیر افضل خان
21	NA-83(سرگودھا۔II)	اسامہ احمد میلہ
22	NA-84(سرگودھا۔III)	شفقت عباس
23	I)(فیصل آباد۔NA-95	علی افضل
24	II)(فیصل آباد۔NA-96	رائے حیدر علی خان

25	NA-100(فیصل آباد-VI)	نثار احمد
26	NA-101(فیصل آباد- VII)	رانا عاطف
27	NA-102(فیصل آباد-VIII)	چنگے احمد خان
28	NA-103(فیصل آباد-IX)	محمد علی سرفراز
29	NA-115(شیخوپورہ-III)	خرم شہزاد ورک
30	NA-122(لاہور-VI)	سردار محمد لطیف خان کھوسہ
31	NA-143(ساہیوال-III)	رائے حسن نواز خان
32	NA-149(ملتان-II)	ملک محمد عامر ڈوگر
33	NA-150(ملتان-III)	مخدوم زین حسین قریشی
34	NA-154(لودھراں-I)	رانا محمد فراز نون
35	NA-171(رحیم یار خان-III)	ممتاز مصطفیٰ
36	NA-179(کوٹ ادو-I)	محمد شبیر علی قریشی
37	NA-181(لیہ-I)	امبر مجید
38	NA-182(لیہ-II)	اویس حیدر جکھڑ
39	NA-852(ڈی جی خان-II)	زرتاج گل

ضمیمہ - B

(اُن آزاد اُمیدواروں کے نام [جو پی ٹی آئی کے دعوی کے مطابق اُن کے اُمیدوار ہیں])

نمبر	نمبر اور انتخابی حلقہ کا نام	امیدوار کا نام
.1	NA-1(چترال اپر کم۔چترال لوئر)	عبدالطیف
.2	NA-5(اپر دیر)	صاحبزادہ صبغت اللہ
.3	NA-13بٹگرام	محمد نواز خان

.4	(مردان-II)NA-22	محمد عاطف
.5	(مردان-III)NA-23	علی محمد
.6	(مہمند)NA-26	ساجد خان
.7	(خیبر)NA-27	محمد اقبال
.8	(نوشہرہ-II)NA-34	ذوالفقار علی
.9	(کوہاٹ)NA-35	شہریار آفریدی
.10	(ہنگو-کم اورکزئی)NA-36	یوسف خان
.11	(جنوبی وزیرستان اپر سہ جنوبی زیریں وزیرستان)NA-42	زبیر خان
.12	(وزیر آباد)NA-66	محمد احمد چٹھہ
.13	(حافظ آباد)NA-67	انیکا مہدی
.14	(منڈی بہاؤالدین اول)NA-68	حاجی امتیاز احمد چوہدری
.15	گوجرنوالہ-II)NA-78	محمد مبین عارف
.16	(گوجرنولہ-III)NA-79	احسان اللہ ورک
.17	(گوجرنوالہ وی)NA-181	چوہدری بلال اعجاز
.18	(سرگودھا-۵)NA-86	محمد مقداد علی خان
.19	(میانوالی-I)NA-89	محمد جمال احسن خان
.20	(میانوالی-II)NA-90	عمیر خان نیازی
.21	(بھکر-I)NA-91	ایم ثناءاللہ مستی خیل
.22	چینوٹ-I)NA-93	غلام محمد
.23	(فیصل آباد-III)NA-97	محمد سعد اللہ
.24	(فیصل آباد-۵)NA-99	عمر فاروق
.25	(ٹوبہ ٹیک سنگھ-I)NA-105	اسامہ حمزہ
.26	(ٹوبہ ٹیک سنگھ-II)NA-107	محمد ریاض خان

27.	NA-108 (جھنگ-۱)	محمد محبوب سلطان
28.	NA-109 (جھنگ-۱۱)	وقاص اکرم
29.	NA-110 (جھنگ-۱۱۱)	محمد امیر سلطان
30.	NA-111 (ننکانہ صاحب-۱)	محمد ارشد ساہی
31.	NA-116 (شیخوپورہ چہارم)	خرم منور منج
32.	NA-129 (لاہور-۱۳)	میاں محمد اظہر
33.	(III-Bed) NA-133	عظیم الدین زاہد
34.	NA-137 (حصہ سوم)	سید رضا علی گیلانی
35.	NA-156 (وہاڑی-۱)	عائشہ نذیر
36.	NA-170 (رحیم یار خان-۱۱)	میاں غوث محمد
37.	NA-172 (رحیم یار خان-۴)	جاوید اقبال
38.	NA-175 (مظفر گڑھ-۱)	جمشید احمد
39.	NA-177 (مظفر گڑھ-۱۱۱)	محمد معظم علی خان
40.	(CII-Cot Abdu) NA-180	فیاض حسین
41.	NA-183 (تونسہ)	خواجہ شیراز محمود

120۔ فیصلہ کی تکمیل سے قبل، ہم بوجھل دل کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں، کہ اقلیتی ارکان میں سے ہمارے دو معزز ساتھی جج صاحبان (جسٹس امین الدین خان اور جسٹس نعیم اختر افغان) نے اپنے مورخہ 3 اگست 2024 کے اختلافی نوٹ میں کچھ ایسی باتیں تحریر کیں جو پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت یعنی عدالتِ عظمیٰ کے ججوں کے شایان شان نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی اس رائے کے اظہار کے بعد کہ ہمارا مورخہ 12 جولائی 2024 کا حکم آئین کے مطابق نہیں تھا اور یہ کہ ہم نے اپنے اختیار (mandate) کو نظر انداز کیا، تحریر کیا کہ "اگر مذکورہ 39 + 41 افراد اس غیر آئینی فیصلے کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو وہ آئین کی خلاف ورزی کے مرتکب ٹھہرنے کی بنیاد پر بحثیت کامیاب امیدوار اپنی نشستیں کھو سکتے ہیں،[89] اور یہ کہ "عدالت کا کوئی حکم جو آئینی دفعات سے ہم آہنگ نہ ہو، تو ریاست کا کوئی دیگر آئینی ادارہ اُس پر عمل درآمد کا پابند نہیں ہوتا۔"[90]

[89] ان کے فیصلے کا پیرا 11

[90] ان کے فیصلے کا پیرا 13

121۔ ہمیں اُن کی اِس رائے کا اظہار کرنے پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں کہ اُن کی دانست میں ہمارا مورخہ 12 جولائی 2024 کا حکم آئین کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اِس عدالتی بینچ کے یا کسی بھی عدالتی بینچ کے ممبران، قانون اور حقائق کے مسائل پر مناسب انداز میں مختلف رائے رکھ سکتے ہیں۔ اس بات کو اجاگر کرنے کے لیے کہ وہ کیوں سمجھتے ہیں کہ بینچ کے دوسرے ارکان غلطی پر ہیں، وہ ناصرف پرزور طور پر مختلف آراء کا اظہار کرسکتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے نظریات پر تبصرہ بھی کرسکتے ہیں۔ تاہم جس انداز میں انہوں نے اپنی اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے، وہ اعلیٰ عدلیہ کے ججوں سے متوقع شائستگی اور تحمل کے برعکس ہے۔ مزید پریشان کن بات یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے اِس تبصرہ میں، 39+41(80) منتخب امیدواروں کو نشستیں کھونے کی دھمکی دے کر اور الیکشن کمیشن کو ترغیب کر کے کہ وہ اکثریتی فیصلہ کی تعمیل نہ کرے، جو کہ اس عدالت کے تیرہ رکنی فل کورٹ بینچ کا فیصلہ ہے، بظاہر شائستگی کی حدود کو عبور کیا ہے۔ اس نوع کے تبصرہ جات ملک کے اعلیٰ ترین انصاف کے ادارے کی ساکھ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بظاہر عدالتی عمل اور انصاف کی فراہمی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کے مترادف ہیں۔

122۔ اس فیصلہ کی عوامی اہمیت کے پیش نظر، آفس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ آئین کے آرٹیکلز 19A اور 251 کی روشنی میں، اِس فیصلے کے اردو ترجمہ کو یقینی بنائے تاکہ اس فیصلہ تک عوام کی رسائی کو ممکن بنایا جاسکے۔ نیز فیصلے کے اردو نسخہ کو ریکارڈ کا حصہ بنایا جائے، عدالتِ اعظمیٰ کی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کیا جائے۔ اور فیصلہ کے سرکاری انگریزی نسخہ کے ساتھ اِس کو قانونی جرائد میں شائع کیا جائے۔

جج

جج

جج

جج

جج

جج

جج

جج

فیصلہ اسلام آباد میں سنایا گیا۔

23 ستمبر 2024

اشاعت کے لیے منظوری دی گئی۔

مترجم: سپریم کورٹ ریسرچ سنٹر